حقیقت حج

ڈاکٹر قمر زمان

فہرست مضامین

PUBLISHED BY:

سلسلہ دعوت قرآنی

پوسٹ بکس نمبر 11037، لاہور، پاکستان

Phone : +92 331 4851185

ابتدائیہ

اس سے پہلے کہ حج کے متعلق کوئی بات کی جائے آیئے خود سے ایک سوال کرتے ہیں۔

دنیامیں اتنے لاتعداد مذاہب یاادیان پہلے سے موجود تھے تو ایک نئے مذہب کی کیاضرورت تھی۔۔۔۔۔؟

دیکھئے پرانے مذاہب کے نئے نام رکھنے سے یا پرانے مذاہب میں موجود مراسم عبادات کے انداز بدل دینے سے نیا مذہب تو وجود میں نہیں آتا۔ مذہب اسلام کے علماء کے مطابق حج پہلے سے عربوں میں موجود تھا، کعبہ بھی موجود تھا اور شیاطین کے موجودہ تین ستون بھی موجود تھے البتہ قد میں وہ اتنے اونچے نہ تھے، میدان عرفات بھی ایسا ہی تھا البتہ پہلے یہ سب لوگوں کے ناموں سے منسوب تھے اب اسے بدل کر اللہ کے نام سے منسوب کر دیا گیا۔ مقامات وہی رہے طریقے وہی رہے مجسمات وہی رہے فرق کیا پڑا۔۔۔۔؟

اسی طرح نماز بھی موجود تھی۔ علماء کہتے ہیں تمام مشرق وسطیٰ میں نماز تھی البتہ عرب نہیں پڑھتے تھے۔ آج بھی پارسی نماز پڑھتے ہیں اور انہی اوقات میں پڑھتے ہیں اور انہیں ناموں سے پڑھتے ہیں صرف نماز ادا کرنے کا طریقہ مختلف ہے۔ روزے بھی ہر مذہب میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ موجود ہیں اور خیرات وصدقات بھی ہر مذہب میں کئے جاتے ہیں۔ بعض مذاہب میں عبادات بہت سے خداؤں کے نام سے کی جاتی ہیں لیکن مقصود ایک خدا کو خوش کرنا اور اسکی ناراضگی سے بچنا ہوتا ہے تو بعض مذاہب میں خالص ایک خدا کے لئے عبادت کی جاتی ہے۔ پھر ان پر کیوں کر اعتراض کیا جاسکتا ہے؟ کیا اس لئے کہ ان کے طریقہ عبادت ہماری طرح کھڑے ہونا اور ماتھا ٹیکنا نہیں ہے۔ وہ بھی تو ایک خدا کے لئے ہی عبادت کرتے ہیں انکی عبادت میں تو ہم سے زیادہ خاموشی، لگن اور یکسوئی ہے۔ وہ بھی ایک خدا کی ہی جستجو میں مراقبہ کر رہے

ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ایک نئے مذہب کی ضرورت پڑی جس میں چنداں دوسرے مذاہب سے کوئی فرق نہیں؟ اگر تمام مذاہب کی بنیاد ایک خدا کو ہی خوش کرنا تھا اور ہے تو پھر مذہب اسلام میں کیا خوبی ہے؟

دیکھئے مذہب اسلام کی بھی وہی چار بنیادیں ہیں جو دیگر تمام مذاہب کی ہیں یعنی۔۔۔

۱۔ طریقہ عبادت

۲۔ خیرات وصدقات

۳۔ خودسوزی

۴۔ تیرتھ یاترا

ہر پرستش کا مقصد خواہ کسی انداز سے کی جائے ایک ہی ہے کہ خدا کو خوش کیا جائے۔ تصور یہ دیا جاتا ہے کہ خالق کی جتنی تعریف وتوصیف کی جائے گی وہ خوش ہوگا، اسکی بڑائی کا جتنا اعتراف کیا جائے گا وہ اتنا ہی نوازے گا۔ اگر اسکی تعریف کرنے میں کوتاہی ہوگی تو وہ کوڑے برسائے گا، نقصان پہنچاے گا۔ یعنی جتنی خوشامد میں لگے رہوگے اتنے ہی وارے نیارے ہونگے۔

مذہب کا دوسرا استون ہے خیرات وصدقات وغیرہ۔۔۔ جو کسی مشکل میں پھنسنے کے وقت نکالی جاتی ہے اور گناہوں کے دھونے کا باعث ہوتی ہے۔ گناہ کا تصور بھی عجیب تصور ہے۔ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو تکلیف پہنچائے یا دوسرے کا حق مارے تو گناہ ہوتا ہے اس طرح تمام بداعمال گناہ کے زمرے میں آتے ہیں مثلاً رشوت، چوری، مار کٹائی، حق مار کر تجارت کرنا، بلیک میلنگ، زخیرہ اندوزی وغیرہ۔۔۔۔۔ آپ کسی بھی گناہ کا تصور ذھن میں لائیے آپ دیکھیں گے کہ ہر گناہ کے پیچھے کسی نہ کسی انسان کی حق تلفی ہو رہی ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ تمام کے تمام گناہ خدا اپنی تعریف سن کر یا اس حرام کی کمائی سے کچھ حصہ اپنے نام کروا کر معاف

کر دیتا ہے۔ اسلام میں زکواۃ اس لئے دی جاتی ہے کہ مال پاک ہو جائے۔ مال کو پاک کرنے کی ضرورت ہی کیوں پڑی؟ اگر مال پاک نہیں ہے تو تمام کا تمام مال ناپاک ہے اس کا ایک حصہ نکال کر خدا کے نام سے غریب غربا میں بانٹنے سے تمام مال کیسے پاک ہو سکتا ہے؟ غلط ذرائع سے کمایا گیا مال تو اس کے حق دار کو پورا کا پورا واپس کرنا ہے۔ بلکہ نہ صرف پورا کا پورا واپس کرنا ہے بلکہ اس حقدار کا جو نقصان ہوا ہے اسے بھی پورا کیا جائے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ نہ تو حق تلفی کرنے والے کو اس سے غرض ہے کہ جس شخص کا حق مارا گیا اس کا کیا ہو گا اور نہ ہی خدا کو اس سے غرض ہے کہ جس کا مال ہے اس کو بمعہ نقصان کی تلافی کے واپس کرایا جائے۔

مذہب کا تیسرا اہم ستون ہے خود سوزی۔۔۔ انسان کی ذات میں دو چیزیں پیدائشی طور پر موجود ہیں یعنی **فجور** اور **تقویٰ**۔ **فجور** یعنی غلط راہ کی خواہش اور تقویٰ یعنی اسے غلط سمجھتے ہوئے اصلاح کا جذبہ۔ اس لئے انسان کتنا ہی ڈھیٹ بن جائے اس کو اس کی بداعمالیاں پریشان کرتی ہی رہتی ہیں۔ اور وہ کبھی نہ کبھی سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ نہ تو خالق کی خوشامد اور تعریف سے سزا کم ہو گی اور نہ ہی خالق کا حصہ نکالنے سے بات بنے گی اس لئے وہ خود ساختہ جسم سوزی کے طریقے ایجاد کرتا ہے جس میں سب سے پسندیدہ بھوکا رہنا ہے جو چند گھنٹوں سے لیکر تمام دن خدا کی نعمتوں سے اپنے آپ کو محروم کر لینا ہے۔ خود سوزی کے دوسرے طریقوں میں ایک پیر پر کھڑے ہونا، الٹا لٹکنا، ساری عمر جنگل اور صحراؤں میں گزارنا، وغیرہ وغیرہ معروف ہیں اور یہ سب خالق کی تلاش کے بہانے پر ہوتا ہے۔ لیکن انسان دوسروں کی جتنی زیادہ حق تلفی کرتا ہے اتنا ہی زیادہ بے چین ہوتا ہے کیونکہ پرستش بھی کرتا ہے تو بے دلی سے۔ خیرات بھی دیتا ہے تو کنجوسی سے خود سوزی پر بھی آمادہ ہوتا ہے تو نہ چاہتے ہوئے اس لئے اس کو یہ خیال ستاتا رہتا ہے کہ اس کا انجام صحیح ہونے والا نہیں۔ اس لئے وہ کسی ایسی ہستی کو ڈھونڈتا ہے جو اسکی خدا کے ہاں سفارش کر سکے اور مذہبی پیشواء اس کے لئے بہت سارے آستانوں کے در کھول دیتا ہے جس میں ایک دروازہ خود اس کے گھر کا بھی ہوتا ہے۔

اس طرح زندہ اور مردہ ہستیاں وجود میں آتی ہیں۔ اگر زندہ ہے تو بزرگ، پیر، مجزوب یا خود مذہبی پیشواء اور اگر مردہ ہے تو اسکی قبر یا اس سے وابستہ اشیاء، مثلاً اس کے بال، جوتے، جبہ یا اس کا شہر حتیٰ کہ اس شہر کی مٹی اور پانی بھی مقدس ہو جاتے ہیں۔ اس طرح زیارتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور ان اشیاء کی جو اس بزرگ سے منسوب ہوں زیارت باعث ثواب بن جاتی ہے اور تمام گناہوں کا کفارہ بھی۔

یہ ہے مذہب کا بنیادی ڈھانچہ۔ اس ڈھانچے کو جسم دینے کے لئے چند عقائد بھی منسلک کئے جاتے ہیں جو زبان سے ماننے کے لئے ہوتے ہیں ان کا ذھن و فکر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور یہ سب ارکان و عقائد اس خدا کے لئے کئے جاتے ہیں جس کا تصور انسان کے خود اپنے ذھن نے تراشا ہوتا ہے اس لئے کچھ مذاہب میں وہ سو رہا ہے اور جب جاگے گا تو وہ خواب سے بے دار ہو گا اور کیونکہ یہ دنیا اس کا ایک خواب ہے اس لئے اس کے اٹھتے ہی یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ کچھ مذاہب میں وہ جاگ رہا ہے لیکن جاگنے کے باوجود دنیا سے لاپرواہ ہے۔ کچھ مذاہب میں کئی خداؤں کا تصور ہے ہر چیز کا ایک خدا ہے لیکن اس کے باوجود تمام خداؤں کا ایک خدا ہے۔

کچھ مذاہب کو الہامی یعنی خدا کی طرف سے دئے گئے تصور کیا جاتا ہے تو باقی مذاہب کو انسان کی ارتقاء کی پیداوار ثابت کیا جاتا ہے۔ خدا کے متعلق مختلف مذاہب میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں کہنے کا مقصد ہے کہ ہر مذہب میں ایک خالق کا تصور موجود ہے اور اس کے متعلق مختلف آراء رہتی ہیں۔ ان آراء کو عقائد کہا جاتا ہے اور ان کا ماننا ضروری ہے۔

مذہب کا دوسرا عقیدہ فرشتوں کا ہے خواہ انکا نام کچھ بھی رکھا گیا ہو وہ خالق کے پیغامات کو پلک جھپکتے ہی ادھر سے ادھر پہنچا دیتے ہیں۔ عموماً ان کے پر ہوتے ہیں وہ ہر شکل میں آسکتے ہیں اور عموماً نظر نہیں آتے۔ گو کہ دوسروں کے لئے ہر کام آسانی سے کر سکتے ہیں لیکن جب جنگ ہو تو ایک چھوٹی سی انسانی فوج کے خلاف ہزاروں کی تعداد میں ضرورت پڑتی ہے۔

الہامی مذاہب کے عقائد کا تیسرا عقیدہ کسی فرشتہ کے ذریعے بھیجی گئی مذہبی کتاب کا ہے خدا جانے خدا خود یہ کام کیوں نہیں کرتا، بیچ میں ایک فرشتہ کو کیوں ڈالا جاتا ہے۔ یہ فرشتہ بھی بھول چوک کا شکار ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی وہ کتاب کو ہی غلط بندے کے حوالے کر جاتا ہے۔ اس بندے کو نبی، رسول یا اوتار کہا جاتا ہے۔ اس نبی، رسول یا اوتار کو بھی ماننا ضروری ہوتا ہے۔ ہزاروں سال گزرنے کے باوجود اس ہستی کو بمع اس سے منصوب کہانیوں کے ماننا ضروری ہے۔ ان ہستیوں کو خالق نے خود ایک مقصد کے لئے تخلیق کیا ہوتا ہے۔ جو انسان ہونے کے باوجود مافوق البشری عجوبہ ہوتی ہیں ان میں انسانوں جیسی کوئی کیفیت نظر نہیں آتی وہ اس دنیا کی مخلوق ہی نظر نہیں آتے۔ ہر مذہب میں یہ خالق کے چہیتے ہوتے ہیں یہاں تک کہ بعض ان کو خالق کا رشتہ دار کہتے ہیں تو بعض خالق کا حصہ دار اور بعض مذاہب میں خود خدا انسان کے روپ میں آجاتا ہے۔

پانچواں عقیدہ بھی مذاہب میں مشترک ہے اور وہ ہے آخرت کا۔ گو کہ اس عقیدہ میں بھی تضاد ہے کوئی کہتا ہے جب انسان مرتا ہے تو قیامت آجاتی ہے تو کوئی کہتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہ دنیا ختم ہو گی۔ ہم اپنی عمر میں ہر مذہب کے مذہبی پیشواء کو یہ کہتے ہوئے سنتے آئے ہیں کہ قیامت آنے والی ہے توبہ کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔

مذہب کوئی بھی ہو انہی پانچ عقائد کے گرد گھومتا ہے۔ عقائد کے گھورکھ دھندے میں بنایا گیا مذہب کا جال کچھ ایسے عقائد پر مبنی ہوتا ہے جنہیں کسی طرح بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا اس لئے مجبوراً ماننا ضروری ہوتا ہے یعنی مذہب نام ہے بے سوچے سمجھے جو مذہبی پیشواء کہے اسے ماننے کا۔

اسلام کے نام پر بھی چند مقدس عقائد اور چند حرکات و سکنات کو مذہب اسلام کا نام دیا گیا ہے۔ جن کا خود مسلمانوں کی مقدس کتاب یعنی ''قرآن'' سے کوئی تعلق نہیں۔ آیئے آج اس مقدس اجتماع کو جسے حج کہا جاتا ہے اور جس پر انسان اپنی ساری عمر کی خون پسینے کی کمائی لٹا دیتا ہے، دیکھتے ہیں کہ اس کے متعلق قرآن میں کیا احکامات ہیں۔

حج

حج کا لفظ قرآن میں 11 مرتبہ وارد ہوا ہے۔ اور 23 مقامات پر حج کے مادہ سے بننے والے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ حج کا بنیادی مادہ ''ح ج ج'' ہے جس کے معنی حجت قائم کرنا ہے یعنی دلائل کے ذریعے کسی بات کو پیش کرنا۔ اسی لئے اس مادہ سے بننے والے الفاظ میں بحث اور دلائل سے قائل کرنا بنیادی معنی ہیں مثلاً

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ

کیاتم نے اس شخص کے متعلق غورنہ کیا جس نے ابراھیم سے بحث کی۔

قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ

پوچھو کہ کیا تم اللہ کے معاملے میں ہم سے بحث کرتے ہو جبکہ وہ ہمارااور تمہارادونوں کارب ہے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ

یہ ہمارے دلائل تھے جو ہم نے ابراھیم کو اپنی قوم کے خلاف عطا کئے۔

قرآن کے مختلف تراجم میں 23 مقامات پر ''ح ج ج'' سے بننے والے الفاظ کو بنیادی معنوں میں ہی ترجمہ کیا گیا ہے اور کہیں بھی عبادت کے حوالے سے مفہوم نہیں لیا گیا۔ البتہ 11 مقامات ایسے ہیں جہاں ''ح ج ج'' سے بنے لفظ حج کو چند مقامات کی زیارت اور مخصوص انداز سے بعض مقامات پر بھاگ دوڑ کو عبادت سے موسوم کیا گیا ہے اور وہی ہمارے اس کتاب کا موضوع ہے۔

اس خاص بھاگ دوڑ اور چند مقامات کی زیارت کو چند کہانیوں کے گرد گھمایا گیا ہے جس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے ان کہانیوں سے پرہیز کرتے ہوئے صرف قرآن کی

آیات تک ہی محدود رہیں گے تا کہ ثابت کیا جائے کہ مروجہ حج قرآن کا نہیں بلکہ قصے کہانیوں کا حج ہے۔ حج سے متعلق آیات سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 158 اور 196 اور سورۃ الحج کی آیت نمبر 27 سے وارد ہوئی ہیں۔ آیئے سورۃ البقرہ سے مطالعہ کی ابتداء کرتے ہیں۔

سورۃ البقـــرہ

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 158 میں ارشاد ہے۔۔۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ

یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں لہذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کرے اور جو برضا و رغبت کوئی بھلائی کا کام کرے گا اللہ کو اس کا علم ہے اور وہ اس کی قدر کرنے والا ہے۔ (عمومی ترجمہ)

اس عمومی ترجمے سے چند باتیں سامنے آئیں ہیں۔۔۔

۱۔ صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

۲۔ بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرنے والے پر لازمی نہیں ہے کہ وہ ان دو پہاڑیوں کے درمیان جن کا نام صفا اور مروہ ہے، سعی کرے (ایک خاص انداز سے بھاگنا)۔ اگر وہ سعی کر بھی لیتا ہے تو یہ کوئی گناہ کی بات نہیں۔

۳۔ اسی بھاگ دوڑ کو اگر کوئی برضا و رغبت کرتا ہے تو اصلاً بھلائی کا کام ہے اور اللہ اس بھلائی کے کام کی قدر کرتا ہے اور اللہ کو اس شخص کے اس عمل کا علم بھی ہے۔

۴۔ اور جس کسی نے برضا و رغبت کوئی بھلائی کا کام کیا تو اللہ قدر شناس اور علم والا ہے۔

کیا آپ کو یہ ترجمہ کچھ بے معنی نہیں محسوس ہوا؟ یقیناً یہ ترجمہ مجہول ہے آیئے غور کرتے ہیں۔

سب سے پہلی بات کہ اللہ کی نشانی یعنی اس کی پہچان صفا اور مروہ سے ہوتی ہے۔ غور کیجئے کہ اللہ کی پہچان کن چیزوں سے کرائی جارہی ہے؟ چند فٹ اونچے دو ٹیلوں کے ذریعے۔۔۔ یہ انتہائی مجہول بات ہے۔ دنیا میں لاکھوں کی تعداد میں ایسے ٹیلے موجود ہیں۔ ان دو ٹیلوں میں وہ کون سی خاص بات ہے کہ جس کے ذریعے انسان اللہ کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔ اگر اللہ کی پہچان تخلیق کے لحاظ سے کرنی ہے تو دنیا کے اُنچے پہاڑوں کو دیکھئے، لق ودق صحرا کو دیکھئے، لامحدود سمندر کو دیکھئے، آسمان کی لامتناہی وسعت کو دیکھئے چاند ستاروں کی لاتعداد گنتی کو دیکھئے۔۔۔۔۔اور غور کیجئے اس خالق کی کاری گری پر۔۔۔۔۔اس کی معرفت حاصل کیجئے تو تخلیق کے ان شاہکاروں سے۔ ذرا ہمالیہ یا k-2 پہاڑوں کو دیکھئے کہ اللہ کی تخلیق کے کیا جلوے نظر آتے ہیں خالق کی کیسی ہیبت و جلالت طاری ہوتی ہے، معلوم ہو جاتا ہے کہ جلِ جلال کی کیا شان ہے۔ ان پہاڑوں کی بلندی آسمان کو چھوتی ہے جن کے درمیان سے گزرنے والے پانی کی گھن گرج انسان کے دل دہلا دیتی ہے کہ جیسے ہزاروں شیر بیک وقت دہاڑ رہے ہوں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اور وہی پانی جب پہاڑوں سے گزر کر کچھ ہی میل کے فاصلے پر میدان میں آتا ہے تو ایسا پرسکون ہوتا ہے جیسے ماں کی گود۔۔۔ یہ چند فٹ اونچے مٹی کے ٹیلے اللہ کی کیا پہچان کرائیں گے، جن کو وقت گذرنے کے ساتھ عربوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اُس حالت میں بھی نہیں رہنے دیا جس حالت میں یہ کبھی تھے۔

دوسری بات بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دو ٹیلوں کے درمیان ایک خاص انداز سے بھاگ دوڑ کرے۔ یہ جملہ ہی واضح طور پر اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ان دو ٹیلوں کے درمیان بھاگ دوڑ فرض کا درجہ نہیں رکھتی۔ یہ تو لوگوں کی مرضی پر چھوڑا گیا ہے کہ اگر وہ ان ٹیلوں کے درمیان بھاگ دوڑ کرتے ہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بلکہ جو کرے سو گناہ نہیں اور جو نہ کرے سو ٹھیک۔

بنیادی طور پر تو صفا اور مروہ کے ساتھ طواف کرنا ہے۔ آیت ہے " أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا" جس کا ترجمہ ہوگا 'اگر ان دونوں کے ساتھ طواف کرے'۔ آیت کے اس جز میں

"بهما" کا لفظ آیا ہے جس کے اصولی اور بنیادی معنی ہونگے "ان دونوں کے ساتھ" یعنی بنیادی طور پر ترجمہ ہوگا "صفا اور مروہ کے ساتھ"۔ گو جملے میں "ان دونوں کا" طواف کا مفہوم بھی نکالا جاسکتا ہے۔ لیکن جملے کی ساخت کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ دو چیزوں کے درمیاں طواف کے لئے زیادہ موزوں لفظ " بينهما " ہے یعنی صفا اور مروہ کے درمیان اگر طواف کے لئے کہا جاتا تو جملہ "ان يطوف بينهما" ہوتا۔

سوال ہوگا کہ دو مٹی کے ٹیلوں کے درمیان برضا ورغبت بھاگ دوڑ کس پیمانہ یا اصول سے نیکی ہے؟ اس بھاگ دوڑ کے ذریعے انسانیت کے کون سے مسائل حل کئے جارہے ہیں، اس بھاگ دوڑ کے ذریعے انسان کی حق تلفی کا کس طرح مداوا کیا جارہا ہے؟ اس بھاگ دوڑ کے ذریئے کونسا بھلائی کا کام ہورہا ہے؟ اگر یہی نیکی ہے تو کیا قرآن نے نیکی کا یہی پیمانہ دیا ہے؟ کیا قرآن نے عمل صالح اسی کو کہا ہے؟ کیا حقوق انسانی کی پاسداری نیکی نہیں ہے؟ کیا انسانیت کے لئے امن و سلامتی مہیا کرنا نیکی نہیں ہے؟

۔۔۔۔اور اگر انسانیت کے مسائل حل کرنا نیکی ہے۔

۔۔۔۔اگر انسانوں کی حق تلفی کے خلاف کھڑے ہونا نیکی ہے۔

۔۔۔۔اگر لوگوں کے لئے بھلائی کے کام کرنا نیکی ہے۔

۔۔۔۔اگر عمل صالح یعنی صلاحیت پیدا کرنے والے اعمال نیکی ہیں۔

۔۔۔۔اور انسانیت کے لئے اس دنیا کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنانا نیکی ہے۔

تو

ان دو ٹیلوں کے درمیان بھاگ دوڑ سے کیا یہ اہداف حاصل ہورہے ہیں؟

دیکھئے آیت میں ارشاد ہے "فمن تطوع خيراً" جس کسی نے خیر کی اطاعت کی "فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ" تو اللہ قدر شناس اور علم والا ہے۔ لفظ " تطوع " اطاعت سے

ہے۔ اطاعت تو کوئی ایسا عمل ہوتا ہے جو کسی کے حکم پر کیا جائے قرآن نے صرف ایک ہی اطاعت کا حکم دیا ہے اور وہ ہے "احکامات قرآنی کی اطاعت" اگر کسی انسان کے حکم کی اطاعت کرنی ہے تو وہ بھی قرآنی احکامات کے تابع رہتے ہوئے ہوگی۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 105 میں خود قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ " خیر" کیا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے۔۔۔۔۔۔

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

اھل کتاب اور مشرکین میں سے انکاری لوگ نہیں چاہتے ہیں کہ تم پر کوئی خیر سے نازل کیا جائے اللہ اپنی رحمت سے جو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اس آیت میں تمام مفسرین نے " خیر" کا مفہوم " احکامات قرآنی"کیا ہے۔ اور اسی " خیر" کا ذکر زیر مطالعہ آیت میں ہے کہ جو کوئی بھی احکامات قرآنی کی اطاعت کرے گا تو اللہ اسکی قدر شناسی کرے گا اور علم کی بنیاد پر کرے گا۔ کیونکہ وہ قدر شناس اور علم والا ہے۔

چناچہ بات واضح ہوگئی کہ " **فمن تطوع خیرا** " جس کسی نے احکامات قرآنی کی اطاعت کی تو اللہ علم کی بنیاد پر قدر شناس ہے۔ اور یہی احکامات الٰہی کا طواف ہر لمحہ مطلوب و مقصود ہے۔ اب ظاہر ہے صفا اور مروہ بھی قرآن سے متعلق ہی کوئی بات ہوگی۔

اگر ہم چند آیات پہلے اور چند اگلی آیات پر غور کر لیا کریں تو ہر آیت کا ربط بھی مل جاتا ہے اور مضمون سے سلسلہ بھی جڑا رہتا ہے۔ اگلی آیت میں ہی اس ربط کو قائم رکھتے ہوئے بتایا گیا کہ بعض لوگوں کی روش اوپر بیان کردہ روش کے برعکس ہوتی ہے اور وہ بجائے احکامات الٰہی کی اطاعت کرنے کے ان احکامات کو جو ہم نے اتارے ہیں چھپاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔۔۔۔۔۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللاعِنُونَ

جو لوگ ہماری نازل کردہ احکامات اور ھدایات کو چھپاتے ہیں حالانکہ ہم انہیں کتاب میں بیان کر چکے سو ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔

یعنی کہ جو لوگ احکامات الہی اور ھدایات کی اطاعت کرتے ہیں تو اللہ قدر شناس ہے جبکہ وہ لوگ جو ان احکامات اور ھدایات کو چھپاتے ہیں ان پر نہ صرف اللہ کی لعنت ہوتی ہے بلکہ لعنت کرنے والے انسان بھی لعنت کرتے ہیں۔

خود دیکھ لیجئے کہ خیر کیا ہے؟ جس کی اطاعت کی جائے تو اللہ اس کی قدر کرتا ہے۔ غور کیجئے کہ ''صفا اور مروہ'' کیا ہیں جو اللہ کی پہچان ہیں؟ جن کو ہر وقت ساتھ رکھنا ہے۔

صفاء کا بنیادی مادہ '' ص ف و'' ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا خالص ہونا، تصفیہ کرنا، برگزیدہ کرنا۔ **الصفاء** معرف باللام ہے جس کا مطلب ہے یہ خاص صفاء کی بات ہو رہی ہے۔ اگر **الصفاء** کسی ٹیلے کا نام ہے تو دنیا میں صفاء کے نام سے بہت سارے ٹیلے ہونے چاہئے تا کہ اسمیں سے ایک خاص صفاء کو **الصفاء** کہا جا سکے ورنہ یہ الصفاء کسی ٹیلے کا نام نہیں ہے بلکہ اس آیت سے پہلے کسی چیز کے متعلق بات ہو رہی ہے جس کی کسی خاص خصوصیت کے حوالے سے اسے الصفاء کا نام دیا گیا ہے۔

المروہ بھی معرف باللام ہے یعنی یہ بھی ال کے ساتھ معرفہ بنایا گیا ہے جس کا مطلب ہے مروہ نام کے بھی ہزاروں ٹیلے ہونے چاہئے جن میں سے ایک ٹیلے کو کسی خاص وجہ سے معرفہ بنایا گیا ہے۔ ورنہ جس طرح الصفاء کسی ٹیلے کا نام نہیں اسی طرح ما قبل آیات میں جس چیز کو بیان کیا گیا اسی کی کسی صفت یا اس سے متعلق کسی خصوصیت کے حوالے سے اس کو المروہ کہا گیا ہے۔

مروہ کے بنیادی حروف "م رء"، "م ری"، "روء" اور "روی" ہو سکتے ہیں اگر مروہ مفعل کے وزن پر رکھا جائے تو اس کا مادہ "روء" یا "روی" ہوگا اور "ۃ" تائے تانیث ہوگی جس کے معنی ایسی جگہ یا ایسا وقت یا ایسی تعلیم یا نظریہ جس میں مہربانی، بہتات اور خوشحالی ہو۔ اور اگر مروہ کو مصدر لیں تو اس کے بنیادی حروف ہونگے "م رء" یا "م رو" جس کے معنی ہیں مروت اور خوشگواری وغیرہ۔ آیئے اب آیت کے دوسرے الفاظ پر غور کرتے ہیں۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ

یقینی طور پر صفاء (خاص صفاء) اور مروہ (خاص مروہ) اللہ کی پہچان سے ہیں پس جو کوئی بھی اللہ کے گھر کی حجت قائم کرے یا عمر گزارے تو اس پر کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ وہ الصفاء (خاص صفاء) اور المروہ (خاص مروہ) کے ساتھ طواف کرتا رہے اور جو کوئی بھی احکامات الٰہی کی اطاعت کرے گا تو یقیناً اللہ باعلم قدر شناس ہے

دیکھئے **فمن حج البیت او عتمر** کا ترجمہ پس جو کوئی بھی اللہ کے گھر کی حجت قائم کرے یا عمر گزارے کیا ہے ہم نے حج البیت کا ترجمہ اللہ کے گھر کی حجت کیا ہے آیئے دیکھتے ہیں کے اللہ کا گھر یعنی بیت اللہ کیا ہے؟ بیت کا لفظ گھر اور ادارہ کے معنی میں عام استعمال میں آتا ہے۔ ادارہ کے لحاظ سے بیت المال بیت الحرام وغیرہ اور انگریزی میں House of Lords اور House of Common مستعمل ہیں۔ ادارہ خواہ کسی عمارت میں ہو یا نہ ہو اصلاً کسی نظریہ کی تعلیم سے منسلک ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص خود اپنی ذات میں ایک ادارہ ہے۔ اس آیت میں نہ تو اللہ تعالیٰ بیت کو اپنے گھر کے معنوں میں کہ جس میں وہ رہتا بھی نہیں استعمال کر رہا اور نہ ہی کسی مسلمان کا یہ خیال ہے کہ کعبہ سے کوئی ایسا گھر مراد ہے جس میں اللہ دن بھر کے کام سے تھک کر رات گزارنے آتا ہے اللہ کے گھر بیت اللہ اور البیت سے وہ گھر مراد ہے جہاں سے اللہ کے احکامات جاری وساری ہوں۔

اب آیئے ”**حج البیت اور اعتمر**“ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ دیکھئے حج کے بنیادی مفہوم سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ حج بنیادی طور پر دلائل کے ذریعے دوسرے کو قائل کرنا ہے اور اگر کوئی ظالم قوم لوگوں پر ظلم کر رہی ہے تو قوم کی دادرسی کے لئے جو کچھ بھی ممکن ہو کرنا حج ہے۔ یعنی حج البیت کا معنی ہے البیت کی حجت قائم کرنا یعنی احکامات الٰہی سے دلائل کے ذریعے لوگوں کو قائل کرنا۔ جبکہ لفظ **اعتمر** کا مادہ ” ع م ر “ ہے یہ باب افتعال سے واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے ” ع م ر “ مادہ سے بننے والے الفاظ میں زندگی گزارنا بنیادی مفہوم ہے اور جب باب افتعال سے کوئی لفظ بنتا ہے تو اسمیں اہتمام کا پہلو شامل ہوتا ہے جس کا اثر دوسروں پر ہوتا ہے۔جی ”**اعتمر** “یعنی اہتمام کے ساتھ زندگی گزارنا۔

جملے کی ساخت دیکھتے ہوئے اس کے مفہوم کو بیان کرتے ہیں۔ جملہ **فمن حج الیت او اعتمر** ”پس جس نے احکامات الٰہی کی حجت قائم کی یا ان احکامات کے ساتھ عمر گزاری“۔یعنی حج کے پہلو میں تعلیمات قرآنی کے ذریعے لوگوں میں ظلم و زیادتی کو ختم کرنے کی جدوجہد ہے تو عمرہ میں تعلیمات قرآنی کے ذریعے لوگوں میں ظلم و زیادتی کے بغیر سکون سے زندگی گزارنے کا اہتمام ہوتا ہے۔ آیئے سورۃ البقرہ کی حج سے متعلق دوسری آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 196 میں ارشاد ربانی ہے۔۔۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔ پس اگر تم گھیر لئے جاؤ تو جو میسر آئے وہ قربانی دو اور اپنے سر کو نہ منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی اپنی جگہ (یعنی مکہ) پہنچ جائے۔ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ بدلہ دے روزے یا صدقہ یا قربانی سے۔ پھر جب تم امن میں ہو تو جو فائدہ اٹھائے عمرہ کا حج تک تو جو قربانی میسر ہو دے پس جو اس کی استطاعت نہ پائے تو وہ روزے رکھے تین دن کے حج کے ایام میں اور سات دن کے جب تم واپس لوٹو۔ یہ دس پورے ہیں۔ یہ حکم ان کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام میں موجود نہ ہوں۔ اور اللہ کا تقوی اختیار کرو اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔ (عمومی ترجمہ)

ان آیات کے عمومی ترجمہ اور مفہوم کے تحت جو بتایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ۔۔۔

۱۔ اگر حج یا عمرہ کے لئے سفر کرتے ہوئے گھیر لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو وہ مسجد حرام کی طرف روانہ کرو۔ اور جب تک قربانی مسجد حرام نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ۔

۲۔ لیکن اگر کوئی بیماری کی وجہ سے یا سر میں تکلیف کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہے تو وہ کفارہ ادا کرے۔ روزہ رکھ کر یا صدقہ دے کر یا کوئی عبادت یا قربانی کر کے۔

۳۔ پھر جب امن کی حالت ہو جائے تو اگر کسی نے عمرہ کا فائدہ اٹھالیا ہے اور اب حج سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو ایک مرتبہ پھر جیسی قربانی میسر ہو کرے اور اگر قربانی نہ پائے تو تین روزے حج کے دوران اور سات روزے واپسی پر رکھے یہ کل ملا کر دس ہوتے ہیں۔ یہ حکم ان کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام میں موجود نہ ہوں۔

۴۔ اللہ کا تقوی اختیار کرو۔ اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔

آیئے اب پہلی کیفیت کے تحت جو حکم ہوا ہے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔ ایک شخص حج یا عمرہ کے لئے نکلا راستے میں اسے دشمن ملک سے گزر کر جانا ہے۔ کسی غلطی کی بنا پر دشمن ملک میں پکڑا گیا۔ ظاہر ہے اب وہ ایک قیدی کی کیفیت میں ہے۔ اس کی تمام ضروریات زندگی پر پابندی عائد کر دی جائے گی۔ اس کے باوجود اس کے پاس جو کچھ چھوڑا گیا تھا اس کو اس نے قربانی کی خرید پر خرچ کر دیا۔ اب وہ اس قربانی کو مکہ تک بھیجے گا۔ ایک لمحہ کے لئے وقفہ کیجئے اور سوچئے کہ۔۔۔

۱۔ ایک قیدی یا محصور شخص کس طرح دشمن ملک میں قربانی کا جانور خریدے گا؟ وہ قید سے کیسے بھاگے گا کہ قربانی کا جانور خرید سکے؟

۲۔ اس کے پاس اتنی رقم کہاں سے آئے گی کہ وہ بکرا خرید سکے۔

۳۔ کون اس کے لئے قربانی کا جانور خریدنے کا انتظام کرے گا۔

۴۔ کون اس جانور کو مکہ تک لے جائے گا۔

۵۔ آج کل کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے کچھ علماء فرماتے ہیں کہ وہ رقم بھیج دے گا .... جی ہاں دشمن ملک سے کرنسی بھیجنا اتنا ہی آسان ہے؟ وہ ایک اور مصیبت میں پھنس جائے گا۔ اور کرنسی کے اسمگل کرنے کے جرم میں مزید سزا کا حق دار ہو گا۔

اسلام کی یہ مروجہ تعبیر تو 1400 سو سال سے چلی آرہی ہے جب حج اونٹوں پر یا پیدل ہوا کرتا تھا۔ سوچئے کہ اس وقت کے حالات میں دشمن ملک میں کس طرح یہ تمام مراحل تکمیل پاتے ہونگے؟ دوسری کیفیت جس میں وہ قیدی مزید مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے یعنی سر کے مرض کی وجہ سے اسے سر منڈانا پڑتا ہے۔ مثلاً ایک ذیابیطس کا مریض خون میں شوگر کی زیادتی کی وجہ سے سر کے پھوڑوں میں مبتلا ہو گیا اور علاج کے لئے سر کو منڈانا پڑا اس وجہ سے اس کو تین متبادل صورتوں میں سے ایک کو قبول کرنا ہے۔

۱۔ روزہ رکھے ....سوچئے ایک ذیابیطس کے مریض کا روزہ رکھ کر کیا حال ہو گا.........؟ جی ہاں وہ مر جائے گا۔

۲۔ صدقہ دے.............وہ پہلے ہی قیدی بنا ہوا ہے۔ تمام مال و متاع دشمنوں کے قبضے میں چلا گیا ہے۔ صدقہ کہاں سے دے گا؟

۳۔ قربانی دے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پہلے ہی جو میسر تھا وہ قربانی پر لگا چکا اب کہاں سے قربانی کرے گا؟ قربانی کی جگہ بعض مترجمین نے "نسک" کا ترجمہ عبادت کیا ہے۔ اب یہ کون سی نئ

عبادت آگئی۔ نماز پہلے ہی پڑھ رہا ہے۔ حج کر نہیں سکتا روزہ رکھ نہیں سکتا صدقہ دے نہیں سکتا۔ یہ تمام شرائط ایک بیمار قیدی کے لئے ناقابل عمل ہیں۔ خاص طور پر روزہ رکھ کر تو مریض موت کے منہ میں چلا جائے گا۔

۴۔ جب امن کی کیفیت ہو جائے تو حج اور عمرہ کرنے کے بعد۔۔۔

"جو بھی آسانی سے میسر ہو تو ایک مرتبہ پھر قربانی دے۔ اور اگر استطاعت نہیں ہے تو وہ حج کے دوران تین روزے رکھے گا اور واپس لوٹنے پر سات روزے پھر رکھے گا یہ پورے دس ہو گئے "(عمومی ترجمہ)

آیت کا ترجمہ خود بتا رہا ہے کہ کچھ گڑبڑ ہے ترجمہ کی رو سے۔۔۔ یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام (یعنی مکہ میں) رہنے والے نہ ہوں۔ یعنی مصیبت ہے تو انہی کو جو باہر سے آرہے ہیں۔ مکے والے مزے لوٹ رہے ہیں۔ ان کے لئے کسی قسم کی بندش یا پابندی یا سزا نہیں۔ کیا مکے والے اللہ کے سگے ہیں اور تمام دنیا والے سوتیلے۔۔۔۔؟ حالانکہ رعایت تو باہر سے آنے والوں کو ملنی چاہئے۔ آیئے اب ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

اس آیت میں لفظ "الحج" معرف بالام ہے۔ یہ اسم معرفہ ہے۔ یعنی حج ہزاروں طریقہ سے ہوتا ہے لیکن وہ خاص حج جو ان آیات میں بیان ہوا ہے "الحج" ہے۔

العمرۃ۔۔۔۔۔ بھی اسم معرفہ ہے کیونکہ معرف بالام ہے۔ العمرۃ کا مادہ "ع م ر" ہے جس کے معنی بہت معروف ہیں۔ عمر گزارنا، زندگی گزارنا، بسنا آباد کرنا۔ معمول کی پر امن زندگی گزاری جائے یا کسی محتاجی پر احتجاج کیا جائے ہر حالت میں اللہ کے احکامات کے مطابق ہونا چاہیے۔ ہم نے للہ کو اللہ کی ذات کے لئے خوش کرنے کے طریقوں پر محمول کر کے "الحج اور العمرۃ" کو عبادات کے رنگ میں ڈھال دیا ہے۔ حالانکہ عمرہ اس زندگی کو کہتے ہیں۔ جو معمول کے مطابق امن کی کیفیت میں گزر رہی ہو۔ اور حج اس احتجاج کو کہتے ہیں جو حقوق کی بازیابی کے

لئے کیا جاتا ہے۔ اس میں معاشرہ کی بے چینی سے لے کر جنگ کی کیفیت تک شامل ہے البتہ جنگ احتجاج کا سب سے بڑا طریقہ ہے اس لئے "حج اکبر" کہا گیا ہے۔

اس آیت کا اگلا جزو ہی بتا رہا ہے کہ اس مقام پر کیفیت امن کی نہیں ہے کیونکہ ارشاد ہوا۔ "**فان احصرتم**" اگر تم محصور کر لئے جاؤ محصور کی کیفیت تنگی اور بے چینی کی ہوتی ہے۔ امن کی کیفیت نہیں ہوتی اور انسان احتجاج کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ جب اس طرح کی تنگی کی کیفیت ہو تو حکم ہوا۔ "**فما استیسر من الھدی**" تو جو بھی ہدایات سے میسر ہو۔

الھدی۔۔۔ بھی معرف بالام ہے۔ اس لفظ کا ترجمہ قربانی کر کے ایک ایسے الہ کا تصور دیا گیا جو خون کا پیاسا ہوتا ہے اس کے لئے قربانی دیکر خون بہانا عین ثواب سمجھا جاتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ جنگلی قوموں میں بچوں اور حسین عورتوں کی قربانی دے کر یہ رسم پوری کی جاتی تھی۔ آج انسانوں کی جگہ جانوروں کی قربانی دے کر یہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ "**الھدی**" کا مادہ "ھ دی" جس کے معنی ہدایات کے ہیں۔ کیونکہ احتجاج کرتے ہوئے انسان اس خطرہ کو مول لیتا ہے کہ پکڑا جائے اس لئے اگر ایسا ہو جائے اور ہدایات کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو جو بھی ہدایات میسر ہوں ان پر عمل کیا جائے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ دشمن کو اس مہم کے کرتا دھرتا لوگوں کا پتہ نہ لگنے پائے۔ "**ولا تحلقو رؤسکم**" اپنے رئیسوں کا حلقہ نہ بناؤ۔

اگر دشمن کو مہم کے لیڈران کا پتہ لگ جاتا ہے تو مہم ناکام ہو جاتی ہے اور اگر تمہارا اپنے رئیس سے ہی لائحہ عمل میں اختلاف ہو گیا ہے اور اگر یہ تمہاری استطاعت کی کمی کی وجہ سے ہے یا تمہارے رئیس کے حکم کی وجہ سے تم ایزا میں مبتلا ہو گئے ہو تو پہلے اس کے متعلق تربیت حاصل کرو اس لئے ارشاد ہوا "**فمن کان منکم مریضاً**" پس تم میں سے جو کوئی کسی کمی میں مبتلا ہو "**اوبہ اذا من راسہ**" یا یہ کہ اس کمی کی وجہ سے رئیس کی طرف سے کسی ایزا میں مبتلا ہو گئے ہو تو تربیت حاصل کرو یا کوئی ایسا عمل کرو جس سے تمہارا دعوی سچ ثابت ہو ورنہ کسی اور کام کی ذمہ داری دی جائے گی۔

مہم میں رئیس سے اختلاف کی وجہ سے یا تو بد کلامی ہوئی ہے، یا حکم عدولی ہوئی ہے یا جھگڑے تک نوبت پہنچ گئی ہے جس کے متعلق آگے فرمایا گیا کہ حج کے معاملے میں نہ تو بد کلامی ہونی چاہئے اور نہ ہی حکم عدولی اور نہ ہی جھگڑا۔ یہی وہ تین کیفیات ہیں کہ جن کے لئے حج کے دوران ہی تین تربیتی کورسز ہونگے۔

فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ

پس جب تم امن میں آجاؤ تو جس نے امن سے لیکر احتجاج کرنے تک جو بھی ہدایات میسر ہوں انکے مطابق فائدہ حاصل کرنا ہے۔

فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

پس جو ہدایات کو نہ پائے تو حج کے معاملے میں تین تربیتیں ہیں یعنی اختلاف کے وقت بد کلامی حکم عدولی اور جھگڑے کا نہ ہونا۔ اور مزید تربیتی کورسز جب تم رجوع کرتے ہو یہ معاشرہ کی تکمیل ہے۔

ذَلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

یہ حکم ان کے لئے ہے جن کی اہلیت ان احکامات پر جو پابند کرتے ہیں کاربند رہنے کی نہیں ہے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ اللہ پکڑ میں سخت ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 197 میں ارشاد ہے۔۔۔۔۔۔

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ

حج کے مہینے معلوم ہیں پس جو کوئی بھی ان مہینوں میں حج کو فرض کرے (عمومی ترجمہ)

یہ ہے عمومی ترجمہ جسکا پہلا جملہ ہی چونکا دینے کے لئے کافی ہے۔ حج کے مہینے معلوم ہیں پس جو کوئی بھی ان مہینوں میں حج کو فرض کرے۔۔۔

ایک لمحہ کے لئے رکئے اور سوچئے کہ حج تو کئی کئی مہینوں پر محیط ہونا چاہیئے جب کہ آج کا مروجہ حج ایک دن بلکہ ایک لمحہ میں ہو جاتا ہے یعنی میدان عرفات سے جو چند لمحات میں گزر گیا اس کا حج ہو جاتا ہے۔ یہ چند لمحات میں مکمل ہونے والا حج کب سے شروع ہو گیا؟

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ

تو حج میں کوئی بدکلامی، قانون شکنی اور دنگا فساد نہیں ہے۔ اور جو کچھ بھی تم نیکی سے کروگے تو اس کا علم اللہ کو ہے۔ سفر حج کے لئے زاد راہ لے لو اور سب سے بہتر زاد رہ پرہیز گاری ہے۔ (عمومی ترجمہ)

آگے ملاحظہ فرمایئے جس کسی نے ان مہینوں میں حج فرض کیا تو کوئی بد گوئی، کوئی قانون شکنی یا لڑائی جھگڑا نہیں ہونا چاہیئے۔ یعنی جو بھی حج کے مہینے متعین کئے ہیں ان میں کسی وقت بھی حج ہو سکتا ہے۔ دیکھ لیجئے حکم ہے جس کسی نے ان مہینوں میں حج فرض کیا یعنی یہ انسانوں کی صوابدید پر چھوڑا گیا ہے کہ حج کے مہینوں میں جب بھی چاہیں حج فرض کریں بلکہ یہ ہر شخص کی صوابدید پر چھوڑا گیا ہے کیونکہ کہا گیا ہے "جو کوئی بھی ان مہینوں میں حج کو فرض کرے" جس کا مطلب ہے ہر شخص کو اختیار ہے کہ جب چاہے حج فرض کرے۔

ان آیات میں **شھر** کا ترجمہ مہینہ ہی کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ وہ ترجمہ ہے جو عموماً ہر مترجم نے کیا ہے۔ **شھر** کا لفظ شہرت سے ہے کیونکہ مہینے بھی مشہور ہوتے ہیں اس لئے **شھر** کا ایک معنی تو مہینہ ہو سکتا ہے لیکن دوسرے معنی جو کہ قرآن کی آیات سے مطابقت رکھتے ہیں وہ بھی زیر غور ہونے چاہئیں۔ خاص طور پر ان مقامات پر جہاں **شھر** کے معنی مہینہ کرنے سے مفہوم ہی الٹ جاتا ہے اور مقصود قرآن کے خلاف جاتا ہے۔ **شھر** کے دوسرے معنی کسی کیفیت یا حالت جو کہ مشہور ہو ہوتے ہیں۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے حقیقت صوم)

شھر کے اس معنی کو سامنے رکھتے ہوئے ترجمہ ہو گا۔۔۔

الحج کے معاملات و حالات معروف و معلوم ہوتے ہیں تو جس کسی نے ان حالات کے معاملے میں حج کو فرض کیا تو کوئی بد کلامی کوئی قانون شکنی اور کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہونا چاہئے۔ اور جو بھی تم نیکی سے کروگے تو اللہ کو اسکا علم ہے۔

آگے ارشاد ہے۔۔۔۔۔

وَتَزَوَّدُوا

اگر تم بڑھتے ہو۔

جس کا عمومی ترجمہ کیا جاتا ہے۔۔۔

زادراہ لے لیا کرو

دیکھئے **تزودوا** فعل ہے جمع مذکر مضارع معروف کا صیغہ ہے اس کو امر یعنی حکم کے معنی میں کیونکر لیا جاسکتا ہے؟ اسی وزن پر مادہ " زی ل" سے لفظ **تزیلوا** سورۃ الفتح کی آیت نمبر 25 میں وارد ہوا ہے جس کا ترجمہ جمع مذکر حاضر مضارع معروف کا صیغہ کے تحت کرتے ہیں۔ وہاں فعل امر یعنی حکم کے معنی میں ترجمہ نہیں کرتے۔

تزودوا معروف کا صیغہ ہے اور جس طرح **تزیلوا** سے پہلے **لو** حرف شرط موجود ہے اسی طرح **تزودوا** سے حرف شرط محزوف ہے جس کی وجہ سے نون اعرابی گر گیا ہے۔ اس کا ترجمہ حرف شرط کے ساتھ ہوگا "اگر تم بڑھتے ہو" آگے اس شرط کا جواب آرہا ہے۔

فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى

تو یقینی طور پر ایسا بڑھنا جو تقوی سے مزین ہو نیکی ہے۔

اس آیت میں حرف 'ف' بتارہا ہے کہ یہ اس شرط کا جواب ہے جو تزودوا سے پہلے محذوف ہے۔ قرآن گواہ ہے کہ احکامات قرآنی پر کاربند ہونا تقوی ہے اس آیت کا سیدھا سادہ سا ترجمہ ہے۔۔۔

اگر تم بڑھو تو یقیناً احکامات قرآنی پر کاربند رہناہی نیکی ہے۔

وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الأَلْبَابِ

اے اہل علم ودانش میر ا تقوی اختیار کرو

اس جز میں یہ حکم اہل علم و دانش کے لئے ہے۔ اگر تم بڑھنا چاہتے ہو تو ایسی نیکیوں میں آگے بڑھو جو تقوی سے مزین ہوں یعنی احکامات قرآنی پر مبنی ہو۔ اس لئے کہا گیا اے اہل علم و دانش میر ا تقوی اختیار کرو۔ جس کا مطلب ہے کہ یہ کوئی تیر تھ یاترا کا سفر نہیں اور نہ ہی تیر تھ یاترا کے لئے سامان سفر لینے کی بات ہو رہی ہے۔ بلکہ حج محتاجی دور کرنے کے لئے اہل علم و دانش اور متقی پرہیز گاروں کا اجتماع ہے تاکہ وہ انسانیت کی حاجات و ضروریات پر غور کریں۔ عوام الناس کے احتیاج پر غور و فکر کرنے کے بعد ان کی حاجت روائی کے لئے احکامات الہی کی بنیادوں پر قوانین مرتب کریں۔ آگے ارشاد ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلا مِنْ رَبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ

ہر گز تم پر کوئی رکاوٹ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔ پس جب تم عرفات سے فیض یاب ہو جاؤ تو اللہ کا ذکر المشعر الحرام کے مطابق کرو اور اس کی یاد دھانی ویسے ہی کرو جیسے کہ تم کو ھدایت دی گئی ہیں۔ اور یقیناً تم ان ھدایات سے پہلے گمراہوں میں سے تھے۔

دیکھئے اس آیت سے مزید چند باتیں کھل کر سامنے آگئیں۔

۱۔ اس عرصہ حج میں رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۔ اور جب عرفات سے فیض یاب ہو چکو تو اللہ کو **مشعر الحرام** کے مطابق یاد رکھو۔

۳۔ یاد دھانی کی بنیاد وہ ھدایات ہیں جو عرفات سے ملی ہیں اس کا مطلب ہے عرفات کسی تعلیم کی بنیاد ہیں جس سے مستفیض ہونے کے بعد اللہ کے احکامات کو یاد رکھنا ہے۔

۴۔ ان ہدایات سے پہلے لوگ گمراہ تھے۔

ان آیات میں لفظ **افضتم** آیا ہے جس کا ترجمہ جب تم لوٹتے ہو کیا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے انسان کسی جگہ سے لوٹتا ہے تو عرفات کو ایک میدان کی حیثیت دے کر **فاذا افضتم من عرفات** کا ترجمہ "میدان عرفات سے لوٹنا" کرنا ممکن ہو گیا۔ دیکھئے **افضتم** کا مادہ "ف ی ض" ہے جس کے معنی فیضیابی اور فائدہ وغیرہ ہوتے ہیں اگر اس مادہ کا بنیادی معنی رکھا جائے تو **فاذا افضتم من عرفات** کا ترجمہ ہو گا جب تم عرفات سے فیض یاب ہو چکو جس میں کسی میدان کا تصور نہیں آئے گا بلکہ کسی تعلیمی درس گاہ یا حکومتی ادارہ کا تصور آئے گا جہاں سے انسان فیضیاب ہو گا۔ آیئے اب اس آیت کے تحت جو احکامات ہیں ان پر غور کیا جائے۔

رب کا فضل۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس آیت میں کہا گیا۔۔۔ رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ غور کیجئے کہ ان آیات میں جہاں اللہ کی بجائے رب کا لفظ آتا ہے تو یہ متبادل اصطلاح کیوں آتی ہے؟ اسی طرح کسی مقام پر اللہ کی بجائے رحمان کی بات ہوتی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ مختلف آیات میں مختلف الفاظ آتے ہیں۔

دیکھئے رب کا لفظ جہاں جہاں قرآن میں وارد ہوا ہے وہاں وہاں خالق کی اس صفت کی طرف اشارہ ہے جو پالنہاری کی ذمہ دار ہے۔ یعنی ایسا نظام جو خالق کے احکامات پر مبنی ہو اور جس کے ذریعے تمام اشیاء خواہ چرند ہوں یا پرند خواہ جاندار ہوں یا بے جان کی پالنہاری یعنی ربوبیت کی ذمہ دار ہو اسی کو نظام ربوبیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسی طرح اگر کسی جگہ خالق کی صفت رحمانیت کا تذکرہ ہے تو اس نظام کی ذمہ داری کی طرف اشارہ ہے جو احکامات قرآنی پر مبنی ہو اور جس میں رحمت کا پہلو نمایاں ہو۔ یعنی نظام تو احکامات قرآنی پر ہی مبنی ہو گا لیکن جن قوانین میں رحمت کا پہلو اجاگر کرنا ہو گا تو وہاں پر رحمن کے حوالے سے بات ہو گی۔

نظام میں جہاں پالنہاری کی صفت کو فوقیت دینی ہے وہاں پر رب کا لفظ آتا ہے۔ اس مقام پر ہی ایک اور بات بھی واضح ہو جائے تو قرآن کے فہم میں بہت آسانی ہو جائے گی۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ہر آیت کے بعد اللہ کی کسی صفت کا بیان ہوتا ہے۔ جیسے۔۔۔

ان اللہ سمیع بصیر

اللہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

ان اللہ سریع الحساب

اللہ حساب میں بہت تیز ہے۔

ان اللہ احکم الحاکمین

اللہ سب سے بہتر فیصلے کرنے والا ہے۔

غور کیجئے کہ قرآن خالق کی اتنی تعریف و توصیف کیوں کرتا ہے۔ کلام بھی اللہ کا ہو اور خود اللہ اپنی تعریف کرے عجیب سی بات لگتی ہے۔ خود تعریفی کا جزبہ اگر انسان کے لئے مستحسن نہیں تو اللہ کیونکر اپنے لئے پسند کرے گا۔ ہر مذہب کے مذہبی علماء نے اس کا غلط استعمال کر کے انسانوں میں خالق کے لئے خوشامدی کلمات کی بھرمار کر دی ہے اور یہ تصور دیا ہے کہ خالق کی جتنی تعریف کی جائے وہ خوش ہوتا ہے اور وہ انسان جو یہ خوشامدی کلمات جتنے جوش و جذبے سے پیش کرے گا خالق اتنا ہی خوش ہو کر اسے نوازے گا۔ اس طرح مذہب میں تعریف و توصیف کرنے کا طریقہ رائج ہوا۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ قران میں جہاں الہ کی تعریف و توصیف آئی ہے وہاں اصلاً اس کا کیا مفہوم ہے۔ قرآن جب یہ کہتا ہے" **اقرضوا اللہ قرضا حسنا** " اللہ کو قرض حسن دو تو ہم اللہ کو قرض حسن تو نہیں دیتے۔ اس لئے کہ جس اللہ کا تصور ہمیں دیا گیا ہے وہ آسمانوں میں ہے اور غیر مرئی ہے جو ہم کو نظر نہیں آتا، اس لئے قرض حسن ہم کسی غریب محتاج اور ضرورتمند کو دے آتے ہیں۔ لیکن کیا آپ نے کبھی سوچا۔۔۔۔۔۔۔۔ کہ مذہب کی دنیا کا یہ

سب سے بڑا شرک ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ سے کہا گیا تھا کہ اللہ کو قرض حسن دو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جبکہ آپ ایک انسان کو قرض حسن دے آئے۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ نے اس انسان کو اللہ کا درجہ دے دیا۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ نے تو ایک انسان کو الہ بنا دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کتنا بڑا شرک کیا۔۔۔۔۔۔۔۔ اف ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ گھبرائیے نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ یہاں مولوی صاحب بھی قرض حسن مانگنے کے لئے تیار ملیں گے اور وہ قطعا اپنے آپ کو اللہ نہیں سمجھ رہے۔ اور آپ بھی انہیں اللہ سمجھ کر قرض حسن نہیں دے رہے۔ یقیناً آپ پر بڑے سے بڑا عالم اور مفتی بھی کفر یا شرک کا فتویٰ نہیں لگائے گا۔ اس لئے گھبرائیے نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ اصل بات یہ ہے کہ ''**اقرضوا الله قرضاً حسناً**'' 'اللہ کو قرض حسن دو' تو اس حکم کا مطلب ہے کہ اس مملکت کو قرض حسن دو جو اللہ کے احکامات پر مبنی ہو اور جو ان تمام ذمہ داریوں کو پورا کرے جس کی اللہ ذمہ داری لے رہا ہے یا جن کا اللہ نے وعدہ کیا ہے۔ یعنی یہ ایسی مملکت کا وعدہ ہے جو الہٰی احکامات پر مبنی ہوتی ہے اور جس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ کوئی شخص کسی محتاجی کا شکار نہ ہو اور اگر کسی کو کوئی حاجت ہے تو اس مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس حاجت کو پورا کرے۔ لیکن اگر ایسی مملکت موجود نہیں ہے تو ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جو احکامات الہٰی کو اپنا ھادی سمجھتے ہیں کہ وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کریں۔ **یعنی اقرضوا الله قرضا حسنا** میں اللہ سے مراد اللہ کے احکامات پر مبنی مملکت ہے جو تمام حاجت مندوں کی ذمہ دار ہوتی ہے لیکن جس کی غیر موجودگی میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ مملکت کی ذمہ داری اٹھاتے ہوئے جہاں جہاں انسانیت کو محتاجی کا سامنا ہے وہ حاجت روائی کا فریضہ انجام دے۔

اسی طرح قرآن میں جہاں جہاں رب کا لفظ آیا ہے وہاں بھی اس مملکت کی اس صفت کو اجاگر کیا گیا ہے اور ایسا نظام مقصود ہے جو انسانوں کی پالنہاری کی ذمہ داری اٹھائے اسی لئے جب یہ کہا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ

تم پر ہرگز کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ تم اپنے رب سے فضل تلاش کرو۔

تو یقیناً یہ ایک ایسے نظام میں قوانین کی بات ہو رہی ہے جس میں ربوبیت کا بھرپور اظہار ہو۔ اس لئے حج بنیادی طور پر اسلامی نظام کا وہ اجتماع ہے جو کسی بھی وقت منعقد کیا جا سکتا ہے اور جس میں اولی الالباب یعنی اہل علم و دانش اور صاحبان اختیار ایسا نظام مرتب کرتے ہیں جس سے انسان کی محتاجی دور ہو اور نظام عدل وانصاف کے ذریعے ہر انسان کی ضرورت اس کو اس کے دروازے پر مہیا کی جاتی ہے۔

عرفات۔۔۔۔۔۔۔۔عرفات سے متعلق یہ بنیادی آیات ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن میں عرفات کا ذکر کہیں نہیں آیا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ عرفات کیا ہے۔

کہا گیا" **فاذا افضتم من عرفات**" جب تم عرفات سے فیض یاب ہو جاؤ۔ لفظ **افضتم** کی بحث ہم مادہ کے تحت پہلے ہی کر چکے ہیں یہاں مختصراً اشارہ پھر کئے دیتے ہیں۔ لفظ **افضتم** کا مادہ" ف ی ض" ہے۔**افضتم** باب افعال سے جمع حاضر کا صیغہ ہے باب افعال کی وجہ سے لازم اور متعدی دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے اس لئے **افضتم** کے دونوں معنی ممکن ہیں یعنی جب تم عرفات سے فیض یاب ہو چکو یا جب تم عرفات سے فیض یاب کر چکو" ف ی ض" ایسا مادہ ہے جس کے معنی فیض حاصل کرنا بہت معروف ہے۔حج کو تیرتھ یاترا بنانے کے لئے فیض کے معنی لوٹنا کیوں کر دئے گئے یہ اسلاف ہی سمجھا سکتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد ہے **فاذ کروا اللہ** پس اللہ کا ذکر کرو یہ حرف 'ف' جس کے معنی ہوتے ہیں 'پس' اور یہ لفظ تمام ماقبل آیات کا نچوڑ دینے سے پہلے آتا ہے۔یعنی جہاں بھی حرف 'ف' آتا ہے وہاں اس مقام سے پہلے جو کچھ بھی سمجھایا گیا ہوتا ہے اس کا حاصل کلام ہوتا ہے۔ یہاں 'ف' پس کہہ کر کہا گیا" اللہ کا ذکر کرو" یعنی اوپر جو کچھ عرفات سے فیضیابی حاصل ہوئی ہے اس کا نچوڑ یا ماحاصل یہ ہے کہ اب تم لوگوں میں اللہ کے احکامات کی یاد دھانی کراؤ۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ عرفات کوئی ایسی تعلیم ہے جس سے خالق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس

تعلیم کو حاصل کرنے کے بعد اب تمہارا کام ہے کہ تم لوگوں میں اس تعلیم کی تفویض اور تنفیذ کی یاد دھانی کراتے رہو۔

مشعر الحرام۔۔۔۔۔**مشعر** کا مادہ ''ش ع ر'' جس کے معنی شعور کے ہیں **مشعر** کا وزن مفعل کا ہے اسی وزن پر **مَکْتَبْ** ، **مَقْتَلْ**، **مَنْظَرْ** ، **مَقْصَدْ** اور **مَشْعَلْ** وغیرہ ہیں ان الفاظ کے معنی سے ہی آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ **مَفْعَلْ** کے وزن میں مادہ کے بنیادی معنی کے نفاذ کا مفہوم سامنے آتا ہے خواہ وہ جگہ کے حوالے سے ہو جیسے **مَکْتَبْ** یعنی ایسی جگہ جہاں کتابت عمل میں آئے یا جیسے **مَقْتَلْ** جہاں قتل کا عمل کیا جائے۔ لغوی لحاظ سے مکتب کے معنی عمارت کے ہونگے لیکن معنوی لحاظ سے تعلیم گاہ کے ہونگے اسی طرح مقتل کے معنی ہونگے وہ عمارت جہاں قتل کیا جائے لیکن معنوی لحاظ سے وہ تعلیم جو کسی کے قتل کا باعث بنے اسی طرح **مَقْصَدْ** یعنی ایسا نتیجہ جو کسی انسان نے حصول کے لئے بطور ہدف متعین کیا ہو اور **مَشْعَلْ** لغوی لحاظ وہ چیز جو شعلہ یا روشنی پیدا کرے اور معنوی لحاظ سے وہ تعلیم جو کسی انسان کے نصب العین کے حصول کے لئے مشعل راہ بنے یعنی **مَفْعَلْ** کے وزن میں نہ صرف جگہ بلکہ حدود اور مقصود کے حصول کا مفہوم ملتا ہے۔

اسی طرح **مشعر** میں ایک معنی ہونگے وہ جگہ جہاں سے انسان کو شعور حاصل ہو تو دوسرے معنی میں وہ تعلیم جس کے ذریعے مقصود کا شعور حاصل ہو۔ **المشعر الحرام** مرکب توصیفی ہے جس کے معنی ہوئے ایسا **المشعر** جس کی صفت **الحرام** ہے۔ یعنی **المشعر الحرام** ایسا شعور جو حرام سے متعلق ہو۔ **المشعر** معرف بالام ہے جس کی وجہ سے اس کی صفت بھی معرف بالام **الحرام** آئی ہے۔ جیسا کہ اب آپ کو معرف بالام کی متعد جگہ پر بحث سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ جہاں بھی کوئی لفظ یا مرکب معرف بالام آتا ہے تو آپ کو فورا معلوم ہو جاتا ہے کہ یا تو ما قبل آیات میں اس کا ذکر آ چکا ہے یا وہ عموم میں سے خاص کی گئی ہے۔ جیسے شجر کوئی بھی درخت ، بقر کوئی بھی گائے ہو گی لیکن جب کہا جائے الشجر یا البقر تو کسی بھی

درخت یا گائے کی بات نہیں ہوتی ہے بلکہ کسی خاص شجر یا کسی خاص بقر کی بات ہوتی ہے **المشعر** کیونکہ معرف بالام ہے اس لئے اس کا مطلب ہے کہ یہ کوئی عام جگہ یا تعلیم نہیں ہے جس سے پہچان کی جائے بلکہ یہ خاص تعلیم یا جگہ یعنی ادارہ ہے جس سے حرام کی پہچان ہو گی۔

آیئے اب دوسرے لفظ حرام پر غور کیا جائے۔ لفظ حرام کا مادہ '' ح ر م '' جس کے بنیادی معنی ہیں منع کرنا روکنا محروم کرنا امام راغب کے حوالے سے علامہ عبدلرشید نعمانی فرماتے ہیں '' جس چیز سے منع فرما دیا جائے وہ حرام ہے خواہ بہ تسخیر الٰہی ممنوع ہو یا منع قہری یا عقل کی رو سے یا شرع کی طرف سے یا اس شخص کی طرف سے جس کا حکم مانا جاتا ہے''۔ ''**المشعر الحرام**'' کا ترجمہ ہوا وہ تعلیم جس کے ذریعے حرام کا شعور حاصل ہو یا وہ جگہ یا ادارہ جو حرام کا شعور دے۔ خواہ مقصود کے حوالے سے مفہوم لیجئے یا جگہ کے حوالے سے نتیجہ ایک ہی نکلے گا۔ ظاہر ہے ممنوعات کا ادراک تعلیم کے ذریعے ہی ہوتا ہے نہ کہ کسی خالی میدان میں ایک دن کی عبادت سے۔ ماحاصل یہ کہ **مشعر الحرام** ان پابندیوں کا ادراک ہے جو عرفات یعنی تعلیمات قرآن سے حاصل ہوتی ہیں۔ آگے دیکھئے۔۔۔

واذکروہ میں ' ہ ' کی ضمیر کا مرجع یا تو اللہ ہو سکتا ہے یا **مشعر الحرام**۔ مفہوم کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں پڑتا ' ہ ' کا مرجع اگر اللہ ہے تو بھی احکامات الٰہی مقصود ہے اور اگر **مشعر الحرام** ہے تو بھی وہ احکامات جو پابندیاں عائد کرتے ہیں مراد ہے لیکن اس سے کسی اینٹ پتھر کی عمارت مراد نہیں ہو سکتی اس لئے کہ یاد دھانی تو اس کی کرانی ہے جس کی ھدایت ملی ہے۔ واذکروہ کما ھدکم اس کی ایسی یاد دھانی کراؤ جیسی کے تمہیں ھدایت ملی ہیں اور آگے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے جب کہا جاتا ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ

اور یہ کہ تم اس سے قبل گمراہوں میں تھے۔

یہاں خود سے سوال کیجئے کہ انسان کس چیز کے حصول سے پہلے گمراہ ہوتا ہے؟ آپ کا دل جواب دے گا کہ انسان کسی صحیح بات کے معلوم ہونے سے پہلے گمراہ ہوتا ہے۔ اور اب خود سے پوچھئے کہ حج کے بعد وہ کون سی تبدیلی آتی ہے جس سے پہلے لوگ گمراہوں میں ہوتے ہیں۔ یقیناًنہ تو کسی عمارت کی زیارت سے کوئی گمراہی دور ہوتی ہے اور نہ ہی کسی میدان میں ایک دن کی عبادت سے نہ تو عمارت کی زیارت سے ھدایات ملتی ہیں اور نہ ہی ایک دن کی عبادت سے۔

یہ ان آیات کا سب سے اہم ترین جز ہے جس میں ارشاد ہے۔۔۔

وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ

اور یہ کہ تم اس سے پہلے گمراہوں میں سے تھے۔

یہ جز حج کو بالکل کھول کر بیان کر دیتا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے رکئے اور غور کیجئے کہ عرفات سے پہلے وہ انسان جو گمراہ تھا کس طرح عرفات سے گزرنے کے بعد گمراہی کو چھوڑ بیٹھا۔

اگر عرفات کوئی میدان ہے تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۱۔ کیا عرفات سے گزرنے والا ہر شخص گمراہ ہوتا ہے؟

۲۔ کیا عرفات سے گزرنے کے بعد انسان گمراہی چھوڑ کر صحیح راستے کو اختیار کرلیتا ہے؟

۳۔ کیا قرآن میں دوسرے مقامات پر اسی طرح گمراہی سے نکلنے کا ذکر کیا گیا ہے؟

پہلے سوال کا جواب تو نفی میں ہے۔ اس لئے کہ ہمیں پورا یقین ہے کہ حج پر جانے والے مذہبی علماء حج کرنے سے پہلے گمراہ نہیں تھے۔

دوسرے سوال کا جواب بھی نفی میں ہے اس لئے کہ آپ نے خود مشاہدہ کیا ہوگا کہ حج کے بعد لوگوں میں رتی برابر فرق نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس انہیں ہر قسم کی زیادتی کرنے کے لئے ایک طرح کا اجازت نامہ مل جاتا ہے۔

اب سوال نمبر ۳ کا جواب حاضر ہے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 164 اور سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر 2 میں اسی طرح کی گمراہی سے نکلنے کا ذکر ہے ملاحظہ فرمایئے سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 164۔۔۔۔۔۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُبِينٍ

یقیناً اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول کو مبعوث کیا جو ان کو اس کی آیات سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ کہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔(عمومی ترجمہ)

اس عمومی ترجمے سے معلوہوا کہ۔۔۔

کتاب و حکمت ملنے سے پہلے لوگ گمراہ تھے اس لئے رسول کو مبعوث کیا گیا تاکہ وہ اللہ کی آیات لوگوں کو بتائے اور اس کے ذریعے لوگوں کا تزکیہ کرے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور یہ کہ رسول کی کتاب و حکمت کی تعلیم سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔ اور یہی بات سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر 2 میں ارشاد فرمائی۔۔۔۔۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الأُمِّيِّينَ رَسُولا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُبِينٍ

وہ وہی تو ہے جس نے کتاب سے ناواقف لوگوں کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو اس کی آیات سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ کہ اس سے قبل وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

سورۃ الجمعہ میں بھی وہی بات ارشاد ہوئی کہ کتاب و حکمت کی تعلیمات سے پہلے لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔ دیکھ لیجئے رسول کے مبعوث ہونے سے پہلے لوگ کھلی گمراہی میں ہوتے ہیں اور جب وہ اللہ کی آیات سناتا ہے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے تب کہیں جا کر وہ اس گمراہی سے نکلتے ہیں۔

اب خود سوچئے کہ کیا کسی میدان میں چند گھنٹوں کا قیام یا اس میدان سے گزرنا کسی تعلیم کے حصول تزکیہ یا کتاب و حکمت کے حصول کا باعث بن سکتا ہے۔ آج تک تو میدان عرفات کا قیام کسی مسلمان کو زرہ برابر بھی عقل نہ دے سکا گمراہی سے نکالنا تو دور کی بات ہے۔ گمراہی کو دور کرنے کے لئے تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ آیئے اب تک کی آیات کا ماحاصل چند جملوں میں بیان کر دیں۔

۱۔ حج ایک ایسا اجتماع ہے جس میں مخصوص حالات و کیفیات سے متعلق احتجاج اور احکامات الٰہی پر مبنی دلائل کے ذریعے ایک دوسرے کو قائل کیا جائے گا۔

۲۔ اس اجتماع کے ایام انسان خود ضرورت کے مطابق طے کریں گے۔ یہ مخصوص مہینے کی یا مخصوص دن کی بات نہیں ہے بلکہ انسانیت جب بھی ایسے اجتماع کی ضرورت محسوس کرے گی منعقد کرنے کے لئے دن و تاریخ متعین کرے گی۔

۳۔ اس احتجاج میں کسی قسم کی بد کلامی، قانون شکنی اور بحث مباحثہ میں لڑائی جھگڑے تک پہنچنے کی اجازت نہیں ہو گی۔

۴۔ نیکی میں مزید سے مزید تر ہونے کی کوشش کرنی ہے اور نیکی کا سب سے اعلی مقام تقویٰ کی بنیاد پر ہے جس کو انتہائی خیر کہا گیا ہے۔

۵۔ قرآن نے حج پر جانے والوں کو نصیحت کرتے ہوئے "اولی الالباب" کہا ہے اس لئے حج کے اجتماع میں صرف اھل علم و دانش ہی شرکت کرتے ہیں۔

۶۔ عرفات کسی میدان کا نام نہیں بلکہ احکامات الٰہی کی معرفت ہے۔ اس اجتماع میں احکامات الٰہی سے معرفت حاصل کر کے فیضیاب ہونا ہے۔ جس میں نظام ربوبیت کے حصول میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

۷۔ احکامات الٰہی سے فیض یاب ہونے کے بعد نظام ربوبیت کے حصول کے لئے ضابطہ کو متعین کرنے کے بعد اس کی یاد دھانی کرانی ہے یہ ایسالائحہ عمل ہو گا جو انسان کو غلط اعمال سے روکتا ہے۔

۸۔ اور یہ یاد دھانی انہی بنیادوں پر ہو گی جو احکامات الٰہی کی ھدایات کے مطابق پہلے طے کی جاچکی ہیں جن سے پہلے وہ گمراہ تھا۔

آیئے آیت نمبر 199 کا بھی مطالعہ کر لیتے ہیں تاکہ اس موضوع سے متعلق سورۃ البقرۃ کی بنیادی آیات کا مطالعہ مکمل ہو جائے ارشاد ہے۔۔۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

مزید تم دوسروں کو فیض یاب کرو جیسا کہ دوسرے فیض یاب کرتے ہیں اور اللہ کی حفاظت طلب کرو۔ یقیناً اللہ رحمت کے ساتھ حفاظت فراہم کرنے والا ہے۔

دیکھئے اس آیت میں اللہ سے اسکی حفاظت طلب کرنے کے لئے کہا گیا ہے جس کا ماحاصل ہے ایک ایسی مملکت الھیہ کا قیام جو انسانوں کی حفاظت کا ذمہ دار ہو اس لئے جان لیجئے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حج ایک ایسا اجتماع ہے جہاں احتجاج کیا جاتا ہے جہاں اھل علم و دانش اور صاحبان اختیار احکامات الٰہی کے مطابق دلائل کے ذریعے لوگوں کے مسائل کا حل تلاش کریں گے تاکہ ان کی پالنہاری کی جائے اور ان کی محتاجی دور ہو۔

سورۃ الحج کی مابعد آیت کا بھی مفہوم یہی ہے لیکن وہاں حجت قائم کرنے کی انتہائی کیفیت کا ذکر ہے جہاں ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ زیادتی کر رہی ہے اس احتجاج میں آخری حجت قائم کرنے کا طریقہ بیان ہوا ہے جسے سورۃ توبہ میں حج اکبر سے تعبیر کیا ہے۔

سورۃ الحج

سورۃ الحج کی آیت نمبر 27 حج سے متعلق یہ تیسری آیت ہے جو پیش کی جاتی ہے آیئے اس کا مطالعہ کرتے ہیں ارشاد ہے۔۔۔

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ

اور لوگوں میں حج کا اعلان کرو کہ دور دراز وادیوں سے پیدل اور دبلی اونٹنیوں پر لوگ تیرے پاس آئیں (عمومی ترجمہ)

اس ترجمہ سے معلوم ہوا کہ۔

۱۔ حج کا اعلان تمام انسانوں کے لیے ہو گا۔

۲۔ لوگ پیدل اور اونٹنیوں پر آئیں گے۔

اس کا مطلب ہے کہ حکم قرآنی کے تحت حج صرف مسلمان کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام انسانیت کے لئے بلا امتیاز رنگ و نسل اور مذہب ہو گا یعنی حج میں ہر مذہب و عقیدہ کا اور ہر قوم کا شخص آئے گا۔ اور حج کے لئے یا تو پیدل جانا ہو گا یا اونٹنی کا استعمال کیا جائے گا ورنہ حکم قرآنی کی خلاف ورزی ہو گی۔

دیکھئے اس آیت میں تین الفاظ قابل غور ہیں۔

۱۔ فی الناس

۲۔ رجالاً

۳۔ ضَامِرٍ

فِی النَّاس۔۔۔ انسانوں کے درمیان انسانوں میں یا انسانوں کے معاملے میں۔ یہ تینوں فی الناس کا ترجمہ ہو سکتے ہیں جس کا مطلب ہوا کہ یہ کوئی ایسا اجتماع ہے جو انسانوں کے معاملے میں منعقد ہو گا یا جس کا اعلان تمام انسانوں کے درمیاں ہو گا۔

آپ خواہ کوئی ترجمہ کر لیں لیکن یہ اجتماع بہر حال مسلمانوں کا اجتماع نہیں ہے بلکہ تمام انسانیت کا اجتماع ہے یعنی نہ صرف تمام مذاہب بلکہ تمام رنگ و نسل کے لوگ بلا امتیاز شریک ہونگے۔ یہ صرف مسلمانوں کی تیر تھ یاترا یا خاص مسلمانوں کے مذہب کا طریقہ عبادت نہیں ہے بلکہ ایک بین الاقوامی کانفرنس ہے جس میں اقوام عالم کے تمام مسائل کو زیر بحث لا کر ان کا حل ڈھونڈا جائے گا۔

رِجَالاً جس کا ترجمہ عموماً کیا جاتا ہے "پیدل" اس کا ترجمہ ہم نے مرد میدان کیا ہے۔ وہ اس لئے کہ اس مروجہ حج کے لئے لفظ پیدل بھی مجہول ہے۔ سورۃ توبہ کی آیت نمبر 108 میں عمومی ترجمہ کی بنیاد پر بھی معنی پیدل نہیں کیا جاتا بلکہ رجال کی تعریف کچھ یوں کی گئی ہے۔

رجال وہ لوگ ہیں جو اس مسجد میں جس کی بنیاد تقوی کی بنیاد پر رکھی گئی ہو کھڑے ہوتے ہیں اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ان کی تطہیر کی جائے۔ ملاحظہ فرمایئے سورۃ توبہ کی آیت اور عمومی ترجمہ۔۔۔

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ

البتہ وہ مسجد جو اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لئے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ ان کو پاک کیا جائے اور اللہ پاکیزگی اختیار کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔ (عمومی ترجمہ)

دیکھئے اس عمومی ترجمہ سے رجال کا کیا تصور سامنے آتا ہے؟ مسجد میں جسے عبادت گاہ کہا جاتا ہے۔ نہ تو لوگ صرف پیدل جاتے ہیں کہ آپ رجال کا ترجمہ پیدل کریں اور نہ ہی مسجد میں صرف مرد حضرات جاتے ہیں کہ آپ رجال کا ترجمہ مرد کریں۔ مسجد میں مرد حضرات کے ساتھ عورتیں بھی جاتی ہیں جن کو رجال میں شامل کیا گیا ہے۔ یعنی مسجد میں جانے والے مرد اور عورتیں سب رجال ہوتے ہیں۔ رجال ارادہ کے پختہ اور ہر قسم کے حالات کا ثابت قدمی سے سامنا کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ اور ان میں مرد حضرات کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ سورۃ الحج کی زیر مطالعہ آیت میں لفظ رجالا مفعولی حالت میں ہے اور مفعول حال ہے یعنی لفظ رجالاً ایک کیفیت کو بیان کر رہا ہے۔

ضامر اس لفظ کا مادہ ”ض م ر“ ہے جس کے معنی ہوتے ہیں پختہ ارادہ کرنا، دبلا ہونا اور پوشیدہ ہونا۔ اس سے لفظ ضمیر، مضمرات اور ضمائر بنتے ہیں۔ یہ لفظ فعیل کے وزن پر ہے۔ ضمیر کا معنی ہوتا ہے انسان کے عقل و شعور سے کی گئی وہ بات جو اصول اور پیمانوں پر صحیح اترتی ہو آپ نے یہ جملہ تو سنا ہوگا ”اس شخص کا ضمیر مردہ ہو گیا ہے“ یا یہ میرے ضمیر کی آواز ہے۔ لفظ ضمیر اردو میں لفظ عربی سے ہی آیا ہے اور اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ فعیل کے وزن پر رکھتے ہوئے معنی ہونگے وہ شخص جس میں پختہ ارادہ کی صلاحیت ہو۔ دوسرا استعمال بھی اردو اور عربی میں یکساں ہے ضمائر وہ الفاظ ہوتے ہیں جو اسم (noun) کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اور انکو ضمیر (Pronoun) کہا جاتا ہے۔ **ضامر** اسی مادہ "ض م ر" سے جس کے معنی میں پختہ ارادہ اور ثابت قدم ہونا پایا جاتا ہے۔ اسم الفائل ہے۔ **ضامر** کے معنی ہوئے وہ شخص جو پختہ ارادہ اور ثابت قدمی پر عمل پیرا رہتا ہے۔

حج کے اجتماع میں آنے والے لوگ رجال ہونگے یعنی جو باضمیر پختہ ارادہ اور اصولوں پر عمل کرنے والے ہونگے۔ کیونکہ حج کو ایک تیر تھ یاترا بنانا مقصود تھا اس لئے **ضامر** کو دبلی پتلی اونٹنیا بنایا جو بعد کو البدن موٹی تازی ہو جاتی ہیں تاکہ ان کی قربانی کی جائے اور واپسی کے صفر

کے لئے پیدل راستہ طے کیا جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ضامر کو نہ صرف دبلی پتلی اونٹنی بنایا بلکہ ان پر لوگوں کو سوار کرا کر حج کے لئے دوڑایا گیا۔ اگر یہی بات صحیح ہے۔۔۔۔ تو آج حجاج کرام اونٹنیوں کی بجائے جو کہ قرآن کا اعلان ہے اور سنت رسول بھی، ہوائی جہازوں میں کیوں حج کے لئے جاتے ہیں؟ اور حج کے دوران بھی کیوں ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں۔ ویسے تو ہر بات میں رسالتماب کی سنت یاد آتی ہے کہ ایسے کیوں کھایا ایسے کیوں پیا، پتلون قمیض کیوں پہنی شادی میں موسیقی کیوں وغیرہ وغیرہ ہر وقت " **ومن یرغب عن سنتی فلیس منی** " 'جس نے میری سنت کو چھوڑا وہ مجھ سے نہیں' کی راگنی گانے والے حج کے دوران میں یہ حدیث کیوں بھول جاتے ہیں؟ عرب کے صحرائی بدو کی ثقافت کو اسلام اور سنت کا نام دینے والے اس قرآنی حکم کو کیوں بھول جاتے ہیں؟

دیکھئے حج کا کسی تیر تھ یاترا سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ سورۃ الحج کی ان تمام آیات کا نچوڑ آیت نمبر 40-38 میں ارشاد ہوا ہے جس میں کہا گیا ہے۔۔۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ O
أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ

یقینی طور پر اہل ایمان کی طرف سے اللہ مدافعت کرتا ہے اور اللہ بے شک خیانت کرنے والے انکاری کو پسند نہیں کرتا۔ اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن پر جنگ تھوپی گئی کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور یقیناً اللہ ان کی مدد کی صلاحیت رکھتا ہے۔

بنیادی طور پر حج کا عمل کسی پر حجت قائم کرنے کے لئے ہوتا ہے خواہ وہ کسی قوم کی بات ہو یا حکومت کی۔ ان آیات میں ایک ایسی قوم کا ذکر ہے جو دوسری قوم پر ظلم کر رہی تھی اس لئے اس قوم کو جس پر ظلم ہوا تھا اجازت دی گئی کہ وہ بھی ظالم قوم کا اسی انداز سے جواب دے اور اس عمل کو حج کہا گیا ہے آیئے ان آیات کا سیاق و سباق کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں۔ آیت نمبر 25 سے اس موضوع کی شروعات ہوتی ہے۔ ارشاد ہے۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ

یقینی طور پر وہ لوگ جو احکامات الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے راستے یعنی مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے تمام انسانوں کے لئے برابر قرار دیا خواہ وہ وہاں رک کے رہنے والا ہو یا باہر سے آنے والا۔ جو کوئی بھی الحاد اور ظلم کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کو دردناک عذاب کا مزہ چکھاتے ہیں۔(عمومی ترجمہ)

یہ آیت حج کی بنیاد ہے اور عمومی ترجمہ کی بھی۔ اس میں واضح طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ ایسے انکاری لوگ جو انسانیت کو احکامات الٰہی سے روکتے ہیں تو انہیں دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہو گا۔ یعنی یہ اس شخص کے خلاف اعلان ہے جو انسانیت کو اللہ کے راستے سے روکتا ہے۔ جس کی مثال سیدنا ابراھیم کے واقعے سے دی گئی اسی لئے سیدنا ابراھیم کا حوالہ دینے سے پہلے کہا گیا ”واذ“ (اور جب یا اور یاد رکھو)۔

ملاحظہ فرمایئے اگلی آیت۔۔۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ

یاد رکھو اس واقعہ کو جب ہم نے ابراھیم کو گھر کے لئے ٹھکانہ دیا کہ میرے ساتھ کسی طرح کا اشتراک نہیں کرو گے اور میرے گھر کو ان لوگوں کے لئے ہر آلودگی سے پاک رکھو گے جو بار ہا اس گھر میں آنے والے ہونگے اور جوڑنے والے ہونگے اور میرے آگے جھکنے والے، ہر حکم کے آگے آمادگی کے ساتھ سرنگوں ہونے والے لوگ ہونگے۔

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ O لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا

الْبَائِسَ الْفَقِيرَ O ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ O

انسانوں کے درمیان یا ان کے معاملے میں حج کا اعلان کرو کہ تیرے پاس مرد میداں اور ثابت قدم لوگ دور دراز علاقوں سے آئیں۔ تاکہ وہ خود اپنے فائدہ کا مشاہدہ کریں اور معلوم ایام کے معاملے میں اللہ کے احکامات کو پیش نظر رکھیں باوجود جانوروں کی بہیمیت کے ہم نے اسی سے انہیں رزق عطا کیا۔ پس خود بھی رزق حاصل کریں اور اسے بھی رزق عطا کریں۔ جو تنگ دست محتاج ہے پھر اپنی غلط روش کا فیصلہ کریں اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور اس آزاد گھر کی حفاظت کریں۔

دیکھئے اس آیت میں حج سے متعلق چند مقاصد بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ حج کا اعلان تمام انسانوں کے درمیان ہو گا۔ اور صرف مسلمانوں کو دعوت نہیں دی جا رہی بلکہ تمام انسانوں کو بلایا جا رہا ہے۔

۲۔ حج کا اعلان ہو گا تو لوگ دور دراز علاقوں سے آئیں گے۔ یعنی حج ہر سال کی ایک مخصوص تاریخ کو نہیں ہوتا ہے بلکہ ضرورت کے مطابق اس کا اعلان ہو گا۔

۳۔ آنے والے لوگ رجال یعنی مرد میدان اور پختہ ارادہ کے بہادر افراد ہونگے۔

۴۔ وہ خود مشاہدہ کریں گے کہ جس حج کے لئے ان کو بلایا گیا ہے اس میں ان کے لئے کیا کیا فوائد ہیں۔

۵۔ اللہ کے احکامات کی یاد دھانی ان معلوم ایام کے حوالے سے کرائی جائے گی جو کہ انعام کی بہیمیت کے باوجود انہیں حاصل ہوئی۔

اس جز میں دو اصطلاحات غور طلب ہیں۔ ایک **ایام معلومات** اور دوسرا **بھیمة الانعام**۔ **ایام معلومات** وہ ایام ہیں جن کو دوسرے مقام پر ایام اللہ کہا گیا مثلا سورۃ ابراھیم کی آیت نمبر 5 میں ارشاد ہوا "**وذکرھم بایام الله**" اور ان کو اللہ کے ایام کی یاد دھانی کراؤ۔ اور یہاں کہا گیا معلوم ایام کے معاملے میں اللہ کے احکامات کو یاد رکھیں۔ قرآن میں

ایام اللہ یا ایام معدودات ان ادوار کے لئے آیا ہے جب مومنین کے لئے اللہ کی نعمتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ اور یہی وہ ایام ہوتے ہیں جب کفار کے لئے عذاب نازل ہوتا ہے یہ وہ ادوار ہیں جو معروف ہوتے ہیں اور ہر مومن کو معلوم ہونا چاہئے اس لئے اگر کہیں ظلم ہو رہا ہے تو لوگوں کو حج کے لئے بلا کر ان ادوار کی یاد دھانی کرائی جاتی ہے جس میں ظلم و زیادتی نہیں ہوتی بلکہ خوشحالی کا دور دورہ ہوتا ہے جس کو **ایام معلومات یا ایام اللہ** کہا جاتا ہے۔

دوسرا مرکب ہے **بھیمۃ الانعام** جس کا سیدھا ترجمہ ہے انعام کی بہیمیت قرآن میں جہاں جہاں یہ مرکب آیا ہے مفسرین پریشان ہوئے ہیں کہ اس کا مفہوم کیا لیا جائے کسی نے جگالی کرنے والے جانور کیا تاکہ قربانی کا جواز بنایا جائے تو کسی نے بہیمیت کا ترجمہ مویشی کیا ہے۔

لیکن کسی نے بھی انعام کو بطور اصطلاح نہیں لیا۔ انعام ان لوگوں کو کہا گیا ہے جن کے لئے سورۃ الاعراف میں کہا گیا۔۔۔

أُولَئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ

یہ لوگ ایسے ہیں جیسے جانور ہوں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور یہی لوگ تو غافل ہیں۔

انعام ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے پاس اللہ کے احکامات آچکے ہوتے ہیں اور وہ اس طرف سے غافل ہوتے ہیں نہ وہ کسی بات پر کان دھرتے ہیں اور نہ ہی وہ عقل سے کام لیتے ہیں ایسے لوگوں کے ظلم کو جانوروں کی بہیمیت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۶۔ جو کچھ بھی انعام کی بہمیت کے باوجود حاصل ہوا اور جو یقینی طور پر ایک ٹکراؤ کی طرف اشارہ ہے اس سے نہ صرف خود فائدہ اٹھائیں بلکہ حاجتمند اور ضرورت مند کی حاجت اور ضرورت کو پورا کریں۔

۷۔ حج ایسا اجتماع ہے جس میں لوگ اپنے معاملات کے فیصلے بھی کریں گے **ثم الیقضو تفثھم** لفظ **یقضو، قضی** سے ہے جس کے معنی فیصلہ کرنا ہے اور **تفثھم** کا مادہ ”ت ف ث“

ہے جس کے معنی ہیں گندگی سے آلودہ / خون آلود۔ ظاہر ہے یہ جسمانی گندگی تو ہو ہی نہیں سکتی یہ کیسی عبادت ہے جس کی وجہ دوران حج انسان کئی کئی دن گندہ رہتا ہو کیونکہ معاشی اور معاشرتی پہلو کی طرف تو سوچا ہی نہیں گیا بلکہ جان بوجھ کر حج کے مقاصد کو پیچھے ڈالا گیا اور ان کو اس قسم کے بے مقصد تراجم سے بدل دیا گیا ''**تفث**'' سے مراد انسان کی جسمانی گندگی کر کے کئی کئی دن حج پر نہانے اور صاف رہنے سے دور رکھا جاتا ہے۔ حالانکہ **تفث** معاشرے کے وہ غلط رویے ہیں جن کی وجہ سے انسان ایک دوسرے کا استحصال کرتا ہے۔ اس لئے کہا گیا کہ ان رویوں سے متعلق فیصلے کرنے ہیں۔

ولیوفوا نذورهم

اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں۔

نذر کسی چیز سے پیش آگاہی ہوتی ہے اس سے رسول اپنے معاشرہ کو پیش آگاہ انذار کرتے ہیں اس لئے منذر کہلاتے ہیں۔ حج کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ جن باتوں کو پہلے سے بتایا گیا ہے اور اگر وہ پورے نہیں ہو سکے ہیں تو ان کو بھرپور انداز سے پورا کیا جائے۔

ولیطوفوا بالبیت العتیق

اور آزادی کے گھر کی حفاظت کریں۔

طواف کہتے ہیں بار بار آنے کو اگر کوئی کسی جگہ بار بار آتا ہے تو کہا جاتا ہے آپ بہت چکر لگا رہے ہیں اس جملے میں چکر لگانے سے مطلب کسی جگہ کے گرد گول گھومنے کے معنی نہیں ہوتے بلکہ بار بار آنے کے معنی ہوتے ہیں اس مادہ میں ہر وہ عمل آتا ہے جس میں کسی بات کی تکرار ہے مثلاً چوکیدار کو طائف کہا جاتا ہے کیونکہ وہ محلے کی گلیوں میں بار بار آتا ہے۔ سعودی عرب کے شہر طائف کا نام طائف بھی اسی لئے پڑا کہ وہ مکہ کی بار بار آنے والے حملہ آوروں سے چوکیدار کی طرح حفاظت کرتا تھا۔

البیت العتیق میں لفظ عتیق آیا ہے جس کا مادہ ”ع ت ق“ ہے جس کے معنی پرانے کے بھی ہیں اور آزادی کے بھی۔ کیونکہ مقصد کے لحاظ سے کبھی مفہوم کو مد نظر نہیں رکھا گیا بلکہ ہمیشہ تیر تھ یاترا بنایا گیا اس لئے عتیق کے معنی پرانا لیا گیا۔ لیکن اگر مقصد کے تحت اس لفظ کا ترجمہ کیا جائے اور حج کو ایک مقصد یعنی ظالم کے ظلم سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ اور اس کے خلاف احتجاجی کاروائی سمجھا جائے تو عتیق کے معنی آزادی ہوتے۔ کیونکہ حج سے متعلق تمام الفاظ کے معنی ایک تیر تھ یاترا کے تحت کئے گئے اس لئے بیت العتیق کے معنی بھی پرانے گھر کے کئے گئے۔

ذَٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ O حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ

یہ ہے حج اور جو کوئی اللہ کے احکامات کی حرمت یعنی پابندیوں کی عظمت کرتا ہے تو اس کے رب کے احکامات کے مطابق خود اس کے اپنے لئے بہتر ہے۔ حالانکہ معاشرہ نے تمہارے لئے ان جانوروں کی ظلم و زیادتی کو جائز قرار دیا تھا ماسواء چند کے جو تمہیں بتائے گئے تھے۔ پس اوثان کے رجس اور قول الزور یعنی دھونس دھاندلی سے بچو۔

ایک لمحہ کے لئے رکئے اور **الرجس من الاوثان** اور **قول الزور** پر غور کیجئے۔
اوثان کا مادہ ” و ث ن “ ہے جس کا مطلب ہے رکے رہنا۔ کسی تبدیلی کو قبول نہ کرنا۔ مورتی بھی کیونکہ تبدیلی قبول نہیں کرتی ہے اس لئے اوثان مورتی کو بھی کہتے ہیں۔ لیکن در حقیقت ہر وہ چیز جس میں تبدیلی نہ آئے اوثان کہلاتی ہے۔ انسان ترقی کرتا ہے۔ اور اس میں تبدیلی آتی ہے۔ نئی نئی ایجادات کے ذریئے پرانی چیزوں کی جگہ نئی چیزیں لے لیتی ہیں۔ پانی بہتا رہے تو سڑتا نہیں ہے صاف رہتا ہے۔ انسان میں زندگی رہے تو وہ حرکت کرتا رہتا ہے۔ مردہ ہو جائے تو ایک جگہ پڑا

رہتا ہے۔ ایک بہت مشہور مقولہ ہے۔ حرکت میں برکت ہے یعنی ہر وہ چیز جو تبدیلی قبول کرتی ہے آگے کی طرف بڑھ جاتی ہے اور وہ لوگ جو پرانی روش پر کھڑے رہتے ہیں قدیم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے رجس من الاوتان ان پرانے مشرکانہ عقائد کی گندگی ہے جس سے بچنے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ نہ کہ مورتی کی عبادت۔

آیت کا اگلا حصہ حج کے مقصد کو بہت خوبصورتی سے بیان کر رہا ہے۔ ''وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّور'' قَوْلَ الزُّور'' سے بچو ''قَوْلَ الزُّور'' ایسی بات ہے جو عقل اور اصول کے بجائے زبردستی دھونس و دھاندلی کے ذریعے منوائی جائے۔ حج کے اجتماع کا بنیادی مقصد ظلم و زیادتی کی پرانی روش کو چھوڑ کر ترقی کے لئے منازل طے کرنا ہے اور دھونس و دھاندلی سے بچنا ہے۔ آیت نمبر 31 واضح کر رہی ہے کہ اس تبدیلی کی بنیاد اللہ کے احکامات پر مبنی ہونی چاہیئے ارشاد ہے۔۔۔

حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ

صرف اللہ کے لئے بغیر کسی شریک کے اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو گویا آسمان سے گرا اور اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوائیں ایسی جگہ اڑا لے جائیں جہاں خوب پسائی ہو۔

یعنی حج میں کسی کے اپنے خیالات و نظریات کا عمل دخل نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ جس کسی نے اللہ کے احکامات کے ساتھ شرک کیا تو ایسے ہی ہے جیسے کہ وہ آسمان سے گرا تو اسے پرندے اچک لے جائیں یا اس کو ہوائیں ایسی جگہ اڑا لے جائیں جہاں اس کا کچومر نکل جائے۔

یعنی یہ کسی زیارت کی داستان نہیں ہے بلکہ ایک مقصد کے تحت اجتماع کے اصول بتائے جا رہے ہیں۔ اگلی آیت مزید واضح کر رہی ہے۔

ذَٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ

یہ حج ہے اور جس کسی نے اللہ کے شعائر کو عظیم بنایا تو یقیناً یہ عظمت اس کے دل کے تقوی سے ہے۔

یعنی اللہ کے شعائر کو عظمت دیناہی حج ہے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا شعائر اللہ وہ اصول اور پیمانہ ہیں جن سے اللہ کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ اور جو کوئی بھی اللہ کے اصول و پیمانہ کو عظیم سمجھتا ہے اصلاً تو اس کے قلب کے تقویٰ کا اظہار ہوتا ہے۔

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ

تمہارے لئے اس میں انجام کار تک فائدہ ہے مزید یہ کہ اس کا اصل مقصود تو آزادی کا گھر ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ

اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک ضابطہ مقرر کیا ہے تا کہ وہ اللہ کے احکامات کو یاد رکھے باوجود درندہ نما انسانوں کی درندگی کے ہم نے انہیں اس درندگی سے ہی رزق عطا کیا۔ پس تمہارا الہ یکتا ہے تو اسی کے لئے سلامتی قبول کرو۔ اور منکسر المزاج لوگوں کو خوشخبری سناؤ۔

خالق اور اس کے واحد ہونے کی پہچان ہمیں اس کی صفات کے یکتا ہونے سے ہی ہو سکتی ہے اور اسکی صفات دراصل اس کے احکامات اور پیمانے ہیں۔ اللہ کی ذات کسی انسان کے ادراک میں نہیں ہے۔ لا تدرکہ الابصار تمہاری آنکھیں اور بصیرت اس کا ادراک نہیں کرتی ہیں۔ اس لئے اس بات سے ہم مبرا ہیں کہ اس کا بطور ادراک کریں اس لئے اگر اس کا ادراک ہو سکتا ہے تو اس کے پیمانوں اور اصولوں یا احکامات کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔

یعنی جب قرآن کہتا ہے کہ ''الھکم الہ واحد'' تمہارا الہ اکیلا الہ ہے تو دراصل قرآن الہ کے اصول پیمانوں اور احکامت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ قدرت میں جاری وساری اصول و پیمانہ کا کوئی جوڑ نہیں وہ یکتا ہیں۔ وہ بہترین ہیں اسمیں کسی قسم کا اشتراک اس کے یکتا ہونے اور لائق تعریف ہونے میں دھبہ ہیں۔ اس کے کسی اصول اور پیمانہ کی خوبصورتی اور غیر جانبداری ہونے کی صفت اسی وقت قائم ہو سکتی ہے جب کہ اسمیں کسی انسانی اصول کا اشتراک نہیں ہوتا۔ اس کے پیمانہ خالص بغیر کسی اشتراک ''**حنفاء غیر مشرکین**

بہ ''ہونے چاہئیں۔ آگے۔۔۔۔۔۔ منکسر المزاج لوگوں کی صفت بتائی گئی کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ کے اصولوں کی سمجھ آتی ہے تو واقعی وہ جھوم اٹھتے ہیں۔ ارشاد ہے۔۔۔

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو احکامات الٰہی یاد کرائے جاتے ہیں تو دلوں پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔ اور جس حال سے دوچار ہوتے ہیں اس پر استقامت سے کھڑے رہتے ہیں۔ اور اللہ کے فرمودات کے مطابق ایک نظام قائم کرنے والے ہوتے ہیں اور انہیں جو بھی ہم نے رزق عطا کیا ہے اس سے انفاق کرتے ہیں۔

آگے ایک اور شعائر اللہ کا بیان ہے۔ غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ شعائر اللہ وہ نشانیاں ہیں جن کے ذریعے خالق کی ہستی کا شعور حاصل ہوتا ہے اور یقینی طور پر خالق کی پہچان اس کے ان اصول و پیمانوں سے ہی ہو سکتی ہے جن کو پرکھنے اور سمجھنے سے اس کا شعور حاصل ہو مثلاً۔۔۔۔۔۔ انسان کائنات کی تخلیق پر غور کرتا ہے تو اسکی تخلیق کے پیمانے نظر آتے ہیں۔ ان کائنات کی اشیاء کے آپس میں توازن پر غور کرتا ہے تو آپس کے توازن کے پیمانے نظر آتے ہیں۔ انسانوں کی خواہ مادی تخلیق ہو یا نظریاتی۔۔۔۔۔۔ اگر غور کیا جائے تو صرف پیمانے ہی نظر آتے ہیں۔

اس لئے اگر ایک جملے میں شعائر اللہ کی تعریف کی جائے تو کچھ یوں ہو گی۔

''اللہ کے وہ پیمانے جو اس پوری کائنات کو باہم دگر توازن عطا کر رہے ہیں شعائر اللہ ہیں۔''

جو ان پیمانوں کو جس جہت سے سمجھا اس نے اسی جہت سے اللہ کو پہچان لیا۔ قرآن کیونکہ حقوق انسانی کے پیمانوں کی کتاب ہے اس لئے اس میں حقوق انسانی سے متعلق احکامات وارد ہوئے ہیں جو شعائر اللہ ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے اگلی آیت۔۔۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

اور ''البدن'' کو تمہارے لئے شعائر اللہ سے مقرر کیا۔ اس میں تمہارے لئے خیر ہے۔ ان کو صواف کی حالت میں احکامات الٰہی کی یاد دھانی کرو اور جب وہ سر نگوں ہو جائیں تو ان سے فائدہ حاصل کرو اور قانع اور معتر کی ضروریات پوری کرو۔ اس وجہ کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں تمہارے لئے مسخر کیا تاکہ تم اس کا صحیح استعمال کرو۔

جیسا کہ عرض کیا اللہ کی پہچان یعنی شعائر اللہ وہ اصول اور پیمانے ہیں جو اس پوری کائنات میں جاری و ساری ہیں اور باہم دگر توازن کا باعث ہیں جن کو جان لینے سے انسان اللہ کو پہچان لیتا ہے۔ اس کا شعور حاصل کر لیتا ہے۔ اور انسانوں کی اس دنیا میں یہ پیمانہ یا تو انسان کی تخلیق کے پیمانے ہو سکتے ہیں یا حقوق انسانی کے اصول جن کے ذریعے انسان باہم دگر روابط رکھتا ہے۔ اس آیت میں چند الفاظ غور طلب ہیں۔

۱۔ البدن

۲۔ صواف

۳۔ جنوب

البدن ------

اس آیت میں ''البدن'' کو شعائر اللہ کہا گیا ہے۔ ''البدن'' جس کو قربانی کا موٹا تازہ اونٹ تعبیر کیا گیا ہے معرف بالام ہے یعنی ''بدن'' کوئی عام چیز ہے لیکن ال کی اضافت سے البدن معرف بالام یعنی Proper Noun ہو گئی ہے۔ غور کیجئے کہ البدن اگر موٹے تازے اونٹ ہیں تو اس شعائر اللہ کی ہم کس طرح بے حرمتی کرتے ہیں۔

۱۔ اول تو قربانی اونٹ کی ہونی چاہیئے تھی ہم بھیڑ بکری بھی قربان کرتے ہیں۔

۲۔ لاکھوں کے حساب سے کاٹ ڈالتے ہیں اور زمیں میں دفن کر دیتے ہیں۔ چند ہزار جانور غریب ممالک میں بھیج کر ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ حج کا مقصد محتاجوں کو گوشت کھلا کر پورا ہو گیا۔ یعنی قانع اور معتر کا پیٹ بھر دیا۔

جس انداز سے شعائر اللہ کی بے حرمتی ہوتی ہے وہ اس مروجہ حج پر پوری آب و تاب سے نظر آتی ہے۔ یقیناً یہ 'مروجہ حج' اصلاً 'حج' ہے ہی نہیں جس میں البدن شعائر اللہ ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی ایک دن لوگوں کو گوشت کھلانے سے قانع اور معتر کی حاجت روائی ہوتی ہے۔ دیکھئے البدن کو نہ صرف شعائر اللہ کہا گیا ہے بلکہ اسمیں خیر کا پہلو بھی بتایا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔۔۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ

اور "البدن" کو تمہارے لئے شعائر اللہ سے مقرر کیا گیا اس میں تمہارے لئے خیر ہے۔

عمومی ترجموں میں "البدن" کو موٹا تازہ اونٹ کہا جاتا ہے اور اسی آیت میں **فاذا وجبت جنوبھا** کا مفہوم لیا گیا کہ جب اونٹ گر کر ایک کروٹ لیٹ جائے۔ ملاحظہ فرمایئے ایک جدید مفکر کا عمومی ترجمہ۔۔۔

"اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ میں شامل کیا ہے۔ تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو اور جب قربانی کے بعد ان کی پیٹھیں زمیں پر ٹک جائیں تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور ان کو بھی کھلاؤ جو قناعت کئے بیٹھے ہیں اور ان کو بھی جو حاجت پیش کریں۔ ان جانوروں کو ہم نے اس طرح تمہارے لئے مسخر کیا ہے تاکہ تم شکریہ ادا کرو"

ا۔ قربانی صرف اونٹ کی ہی ہو سکتی ہے کیونکہ "البدن" کو اونٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ضامر بھی دبلی پتلی اونٹنی ہوتی ہے اور قربانی کا طریقہ بھی صرف اونٹ کی قربانی کا ہے۔

۲۔ قربانی کے وقت وہ لوگ جو آس لگائے بیٹھے ہیں اور وہ بھی جنھوں نے پہلے ہی اپنی ضرورت کا احساس دلا دیا ہے ایسے لوگوں کو قربانی کا گوشت اور دوسرے اعضاء دینے چاہیئے۔

البدن کا مادہ ''ب د ن'' ہے جس کے معنی موٹا ہونا طاقت ور ہونا بہادر ہونا دولت مند ہونا ہوتے ہیں۔ لفظ بدن بادن کی جمع ہے اور بادن اسم الفاعل ہے اسم الفائل ہونے کی وجہ سے بادن اس شخص کو کہیں گے جو بہادری یا طاقت کی صفت پر عمل پیرا ہو۔ موٹا ہونے کی صفت کے لحاظ سے انسان یا جانور کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ پھر اسم الفاعل ہونے کے لحاظ سے اس کے معنی ہونگے وہ جانور یا شخص جو موٹے ہونے کی صفت پر عمل پیرا ہو۔ جو لایعنی بات ہو گی۔

البدن کے معنی ہونگے وہ افراد جو بہادری کی صفت پر عمل پیرا ہوں۔ اس لیے یہ یا تو اپنی مسلم قوم سے تعلق رکھتے ہونگے یا دشمن فوج کے وہ بہادر لوگ ہیں جو مغلوب ہونے کے بعد بھی فائدہ مند ہوتے ہیں۔ اسی لئے جنگ کی حالت میں بھی احکامات الٰہی کو سمجھانے کی بات آ رہی ہے۔ اور ان کی بہادری سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں اس سے قوم بھی فائدہ اٹھاتی ہے۔ اور مظلوم افراد بھی فائدہ اٹھاتے ہیں جنہیں قانع اور معتر کہا گیا ہے۔

صواف۔۔۔۔۔

اس کا مادہ ''ص ف ف'' ہے جس کے معنی ہیں قطار جس سے لفظ صف بھی مستعمل ہے۔ صواف بھی صافۃ کی جمع ہے اور صافۃ بھی بدن کی طرح اسم الفاعل ہے یعنی صافۃ کے معنی ہوئے قطار بنانے والیاں جب کہ کسی بھی جانور میں خود صف بنانے یا کسی اور کو صف میں کھڑا کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ صواف کے دوسرے معنی ہیں فوجی پڑاؤ، میدان جنگ۔ ان بہادر اور طاقتور لوگوں کو میدان جنگ اور پڑاؤ میں احکامات الٰہی کی یاددہانی کراتے رہنا ہے تا کہ جنگ کی حالت میں بھی کسی غلطی کا ارتکاب نہ ہو۔

جنوب۔۔۔۔۔

اس کا مادہ ''ج ن ب'' ہے جس سے الفاظ جنوب ، اجانب، جانب اور جنب وغیرہ مستعمل ہیں جنب کی جمع جنوب ہے اور قرآن میں اس مادہ سے کئی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ سورۃ زمر کی آیت نمبر 56 میں ''جنب اللہ'' اللہ کے احکامات کے لئے بھی آیا ہے۔

سورہ الحج کی اگلی آیت میں ارشاد ہے۔

فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

پس جب وہ مغلوب ہو جائیں تو خود بھی فائدہ حاصل کرو اور قانع اور معتر یعنی مظلوم قوم کو بھی فائدہ پہنچاؤ۔ بوجہ اسی کے ہم نے انکو مسخر کیا تاکہ تم شکر کرو۔

یہ تمام الفاظ اس بات کی طرف نشاندہی کر رہے ہیں کہ یہ کوئی قربانی کے جانور کی بات نہیں ہو رہی بلکہ یہ فوج کے عملی اقدام کی بات ہے جس کی وجہ سے ان اشخاص کو جو قانع اور معتر ہیں یعنی جو ظلم کے وقت ''قانع'' تھے یا جو اپنی حاجت کو پیش کرتے تھے انہیں ان کی ضرورت کے مطابق فیضیاب کرو اس طرح ظالم کو تمہارے لئے مسخر کیا تاکہ تم شکر کو۔ آگے ارشاد ہے۔۔۔

لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ

ہرگز نہیں پہنچتا اللہ تک ان کا لحم اور نہ ہی ان کا خون لیکن اس کو تم سے تقوی پہنچتا ہے۔

اگر اس آیت میں لحم کے معنی گوشت اور دم کے معنی خون کئے جائیں تو بالکل ہی الٹ مفہوم ہوگا اس لئے کہ قرآن تو کہہ رہا ہے کہ اللہ کو نہ تو گوشت پہنچتا ہے اور نہ ہی خون اس لئے قربانی کا فائدہ۔۔۔۔۔۔۔۔؟ البتہ جو کچھ بھی اللہ کو پہنچتا ہے وہ انسانوں کا تقوی یعنی احکامات الہی سے ہم آہنگ ہونا اور ان احکامات پر عمل پیرا ہونا۔

احکامات پر عمل پیرا رہنے کا بھی کوئی مقصد ہونا چاہیئے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی عمل کیا جائے اور اس کا کوئی مقصد نہ ہو اور نہ ہی اس کا کوئی نتیجہ نکلے۔

حج کے دوران جانوروں کی قربانی سے کیا مقصد حاصل ہوتا ہے؟ ایک فیصد سے بھی کم جانوروں کا گوشت غریب غربا کو پہنچتا ہے۔ باقی سب ضائع ہو جاتا ہے۔ انسان کی جیب سے مال نکلتا ہے لیکن بے مقصد اس حج کے ذریعے اس کائنات کی کسی شئی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا حتی کہ اللہ کو بھی نہ تو گوشت اور نہ ہی خون پہنچتا ہے۔

ہاں اگر فائدہ ہوتا ہے تو ان ممالک کو جو غیر مسلم ہیں۔ مسلمانوں کی ساری عمر کی خون پسینے کی کمائی وہ لوگ لے جاتے ہیں جو جہاز بناتے ہیں تاکہ حجاج بجائے اونٹوں کے ان جہازوں پر آرام سے سفر کریں۔ ہاں اگر فائدہ ہوتا ہے تو ان غیر مسلم ممالک کا جہاں قربانی کے جانوروں کی صنعت وجود میں آگئی ہے۔ اور جہاں سے لاکھوں جانور بر آمد کر کے مکہ لائے جاتے ہیں۔ ہاں اگر فائدہ ہوتا ہے تو ان غیر مسلم صنعت کاروں کا جو حج کے لئے خیمہ تسبیح اور گاڑیاں بناتے ہیں۔

غیر مسلم ممالک مسلمانوں کی ساری عمر کی خون پسینے کی کمائی کو کس آسانی سے اڑا لے جاتے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ حج پر خرچ ہونے والا زر مبادلہ کئی مسلم ممالک کے مجموئی قرضوں سے زیادہ ہوتا ہے۔

اس قربانی کے ذریعے الہ کے کسی اصول اور پیمانے کو دنیا کی بھلائی کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔ آیئے اس آیت میں وارد دو الفاظ پر غور کرتے ہیں۔ ”لحومھا“ اور ”دماؤھا“ لحم کا مادہ ”ل ح م“ ہے جس کے مختلف معنی ہیں ایک معنی گوشت کے بھی ہیں جبکہ دوسرے مفاہیم میں مستعمل الفاظ علامہ رشید نعمانی کی لغات القرآن اور دوسری عربی لغات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ آیئے علامہ رشید نعمانی کی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

”**لَحْمٌ**“ و ”**لَحَمٌ**“ گوشت، **لُحْمَةٌ** کسی کپڑے کا بانا، **لَحِمٌ** شیر موٹا آدمی وہ مکان جہاں لوگوں کی زیادہ غیبت کی جاتی ہو ہم شکل، **لَحِامٌ** وہ چیز جس سے چاندی یا سونے میں

ٹانکا جوڑ لگایا جاتا ہے، **مَلْحَمَةٌ** شورش فتنہ جنگ۔ "**نبی الملحمة**" وہ نبی جس کو جہاد کا حکم دیا گیا ہو، وہ نبی جو لوگوں میں الفت پیدا کرے اور ٹوٹے ہوئے لوگوں کو آپس میں جوڑے۔ "**لحم الامر**" کام کو جوڑ دیا درست کر دیا الحام کسی کام کی تکمیل کرنا "**الحم ما اسدیت**" جس کام کو شروع کیا ہے اس کی تکمیل کرو۔

یعنی **لحم** کے بنیادی معنی ہیں جوڑنا خواہ وہ معاملات کے ذریعے لوگوں کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑے جائیں آپس کے تعلقات بہتر کئے جائیں یا سونے چاندی کے ٹوٹے ہوئے زیورات کو ٹانکا لگا کر جوڑا جائے۔

قرآن کی سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 12 میں ارشاد ہے۔۔۔

أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا

اگر لفظی ترجمہ کیا جائے تو معنی ہونگے۔۔۔

کیا تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا چاہو گے۔

اور اگر حقیقی معنوں میں سمجھا جائے تو مفہوم ہو گا کہ۔۔۔

وہ بھائی جو اپنا دفاع نہیں کر سکتا اس کے متعلق تم غیبت کرو گے۔

انسان کبھی بھائی کا گوشت نہیں کھاتا بلکہ بھائی کی غیبت ضرور کرتا ہے جسکو تراجم میں مردہ بھائی کے گوشت کے کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس طرح سورۃ الحج کی آیت میں **لحومها** ان کا گوشت نہیں بلکہ ان سے تعلقات ان سے جوڑ ان کی دوستی مراد ہے۔

اسی طرح '**دم**' کے معنی خون ضرور ہیں لیکن خون خراب بھی ہو جاتا ہے، انسان خون چوس بھی سکتا ہے، خون پسینے کی کمائی بھی اڑا لے جاتا ہے، اگر تو قرآن حقوق کی بازیابی کے پیمانے دیتا ہے تو دم کے معنی خون نہیں بلکہ خون ریزی کے معنوں میں لیا جائے گا۔

سیاق وسباق میں ایک کیفیت کا بیان ہے جس میں قوم کی مشکلات کا حل ڈھونڈنے کے لئے غور و خوض ہو رہا ہے جس میں دھونس و دھاندلی سے بچنا ہے اللہ کی کبریائی قائم کرنی ہے درندہ صفت لوگوں کی درندگی کے باوجود رزق کی فراہمی ہونی ہے حتیٰ کہ جنگی کیفیت ہونے کے باوجود دشمن فوج کو پہلے احکامات الہٰی پر کاربند رہنے کی نصیحت کر لی ہے جس کے بعد ارشاد ہوا کہ ان لوگوں کا جوڑ توڑ اور خون خرابا اللہ کے کسی کام نہیں آتا بلکہ انسان کا تقوی ہے جو حکومت الہیہ کے کام آتا ہے۔ اس جز کے بعد ارشاد ہے۔۔۔

كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ

ان تمام وجوہات کی بناء پر جو اوپر بیان ہوئیں ہم نے تمہارے لئے ان کو تابع کیا تاکہ تم اللہ کی کبریائی یعنی حکومت الہیہ ان بنیادوں پر قائم کرو جن کی تم کو ھدایت دی گئی تھی اور محسنین کو خوشخبری سناؤ۔

کیا اب بھی کوئی شک رہ جاتا ہے کہ حج ایک ایسا لائحہ عمل ہے جس کے ذریعے احکامات الہیہ کا قیام عمل میں آتا ہے۔ دیکھئے جہاں کہیں اللہ کی کبریائی کے قیام کی بات ہوتی ہے وہاں وہاں ایک ایسی حکومت کے قیام کی بات ہوتی ہے جو احکامات الہیہ کے تحت قائم ہو۔ حج ہر گز ہر گز تیر تھ یاترا نہیں ہے۔ اور اگلی آیت میں اس حج کی غرض وغایت بھی بیان کر دی گئی۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ

یقینی طور پر اللہ اھل ایمان کی طرف سے مدافعت کرتا ہے اور یقیناً اللہ خیانت کرنے والے انکاری کو پسند نہیں کرتا۔

کیونکہ اللہ کسی بھی خیانت کرنے والے انکاری کو پسند نہیں کرتا اس لئے اگر کوئی قوم کسی پر ظلم وزیادتی کر رہی ہے تو اہل ایمان کو اس قابل ہونا چاہئے کہ وہ اپنی حکومت کے ذریعے جو اللہ کے احکامات پر مبنی ہو انسانوں کی مدافعت کر سکیں۔

آیت نمبر 39 میں تو کھل کر بتا دیا گیا کہ یہ حج کا عمل کیوں عمل میں لایا گیا ملاحظہ فرمایئے۔۔۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا

ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن پر قتال تھوپا گیا بسبب اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔

یہ کس بات کی اجازت دی گئی؟ ظاہر ہے قتال کی اجازت دی گئی اور یہی حج ہے۔ یعنی حج کی اجازت جو دی گئی اس کی وجہ بھی بتا دی گئی اور وہ یہ تھی کہ لوگوں پر ظلم کیا جا رہا تھا اب اس سے زیادہ اور کھل کر کس طرح بتایا جا سکتا ہے کہ حج صرف اور صرف مظلوموں کی دادرسی کے لئے اس طریقہ کار کا حصول ہے جس سے انسانیت پر ہونے والے ظلم کو ختم کیا جا سکے اور آخیر میں ارشاد ہے۔۔۔

وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ

اور یقیناً اللہ ان مظلوم لوگوں کی مدد کے پیمانے بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

یعنی حج کے بعد حکومت الٰہیہ کا لائحہ عمل ایسا ہونا چاہئے جس سے معلوم ہو جائے کہ اہل ایمان کی حکومت مظلوموں کی مدد اور دادرسی کی صلاحیت رکھتی ہے۔ آیت نمبر 40 میں حج کی غایت اور تکمیل ان ارشادات کے ساتھ کی گئی۔۔۔

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ

یہ مظلوم لوگ وہ ہیں جو اپنے گھروں سے نکالے گئے بغیر کسی وجہ کے سوائے یہ کہ انہوں نے اعلان کیا کہ صرف اللہ ہی ہمارا رب ہے اور اگر اللہ بعض انسانوں کی بعض سے مدافعت نہ کرے تو لازماً

صوامع، بیع، صلوات اور مسجد جن کے معاملے میں کثرت سے یاد دھانی کرائی جاتی ہے منھدم کر دیتے اور اللہ اس کی مدد کرتا ہے جو اللہ کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ غالب قوت والا ہے۔

دیکھئے اگر حج نہ ہو تو ظالم لوگ کیا کچھ کرتے ہیں یہ ظالم لوگ مظلوموں کو صرف اس وجہ سے تنگ کرتے ہیں کہ انہوں نے حکومت الھیہ کو ہی اپنا رب مانا یعنی احکامات الہی پر مبنی حکومت کے ذریعے ہی ربوبیت کے نظام کو قابل عمل سمجھتے ہیں اور اگر حکومت الھیہ ان کی ظالم لوگوں سے مدافعت نہ کرے تو یہ ان کو اور ان کے نظام کو تباہ وبرباد کر دیتے۔ یعنی صوامع، بیع، صلوت اور مسجد اس اسلامی نظام کے ستون ہیں جن کے ذریعے مظلوموں کی دادرسی ہوتی ہے۔ کیونکہ اسلام کو ایک نظام کی بجائے پرستش کا مذہب بنانا مقصود تھا اس لئے اسلام کی تمام اصطلاحات کو ایک پرستش کے مذہب کی اصطلاحات سے بدل دیا گیا۔

جہاں صلوۃ کو نظام کی بجائے ایک طریقہ عبادت صوم کو ہر برائی سے بچنے کے طریقے سے بدل کر بھوک پیاس کا روزہ زکواۃ کو معاشرہ کی خوشحالی کے بجائے مال پاک کرنے کے طریقے میں بدل دیا وہاں حج کو جس میں مظلوم لوگوں کی نہ صرف دادرسی کی جائے بلکہ ظالم کے ظالمانہ نظام کو طہ تیغ کیا جائے ایک تیرتھ یاترا میں بدل دیا۔

آیئے **صوامع** ،**بیع** ،**صلوت اور مسجد** کے الفاظ پر بھی غور کیا جائے۔

صوامع۔۔۔۔۔ کا مادہ ”ص م ع“ ہے جس کے معنی ہیں معزز مقام پر فائز ہونے والے افراد۔

بیع۔۔۔۔۔ کا مادہ ”ب ی ع“ جس کے معنی معاہدہ کے ہوتے ہیں یعنی بیع ایسے مراکز جہاں عہد وپیمان کئے جاتے ہیں خواہ وہ تجارتی معاہدہ ہوں یا حکومتی نظام کے معاہدے ہوں۔

صلوات۔۔۔۔۔ کا مادہ ”ص ل و“ ہے جس پر سیر حاصل بحث حقیقت صلوۃ میں ہو چکی ہے مختصر اعرض ہے صلوۃ کے معنی نظام کے ہیں۔

مسجد۔۔۔۔۔ وہ احکامات جن کے آگے انسان ہمیشہ سر نگوں رہے۔ یعنی ظالم جب ظلم کرتا ہے اور ایک فلاحی مثالی نظام کو تباہ کرتا ہے تو وہ اس نظام کی بنیادوں کو تباہ و برباد کرتا ہے یعنی وہ ان احکامات یعنی مساجد کو جن کے ذریعے ایک فلاحی معاشرہ قائم ہوتا ہے اسے برباد کرتا ہے۔ احکامات کو تہہ تیغ کرنے کے ساتھ اس کے نظم و نسق پر ضرب مارتا ہے یعنی صلوۃ کی بربادی لگاتا ہے۔ ان معاہدوں کو ختم کرتا ہے جن کے ذریعے معاشرے کی خوشحالی ممکن ہوتی ہے اور ان لوگوں کو جو اس معاشرہ کے کرتا دھرتا لوگ ہوتے ہیں پابند سلاسل کرتا ہے۔

ایک معاشرہ کے یہی ستون ہین جن پر معاشرہ کی خوشحالی کا دارومدار ہوتا ہے ظالم کو جہاں موقع ملتاہے وہ اپناکام وہاں سے ہی شروع کرتا ہے۔